دفاعِ حدیث!

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کے لیے محدثین کرام پیدا کئے ہیں۔ جو حدیث اور علوم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہوں نے حدیث کے الفاظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حدیث کے معنی کی بھی حفاظت کی ہے۔ فجزاہم اللہ عنا

امت کے لیے عافیت اس میں ہے کہ محدثین کرام کے علم کو دلیل بنائے۔ محدثین کا کسی حدیث پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے۔ اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ مخالفین حدیث کے اعتراضات کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ دنیا میں کتنے لوگ آئے، جو ساری زندگی حدیث کا انکار کرتے رہے، وہ مٹ گئے، حدیث باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

ذیل میں چند احادیث ذکر کی گئی ہیں، جن پر بعض لوگ کسی نہ کسی اعتبار سے اعتراض کرتے رہے ہیں۔ ان کا صحیح مفہوم اہل علم کی تصریحات کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔

ا۔ رضاعت کبیر کا مسئلہ:

اسلام عقل اور منطق کا مخالف ہرگز نہیں ہے، لیکن صرف اپنی خواہشات اور تعصّبات کو عقل کا نام دے کر اسلام کو اس سے ٹکرا دیجئے تو نتائج برے ہی آتے ہیں، کوئی خاتون دو سال سے بڑے لڑکے یا جوان مرد کو دودھ نہیں پلا سکتی، یہ اسلام کا قاعدہ، قانون اور ضابطہ ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اتھارٹی دے رکھی ہے کہ آپ اسلام کے کسی قاعدے سے اللہ کے اذن سے کسی شخص کو مستثنیٰ کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک عجیب طرح کا کیس سامنے آیا، یہ سیدہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے، ہوا کچھ یوں کہ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، آپ سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے اور ان کے بیٹے شمار کئے جاتے تھے۔

پھر اللہ کا حکم آ گیا کہ متبنیٰ کو اس کے اصل باپ کی طرف ہی منسوب کریں:

﴿اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾(الأحزاب: 5)

''لے پالک بیٹوں کو ان کے والد کے نام سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف والی بات ہے۔''

حکم مان لیا گیا، لیکن مشکل یہ ہوئی کہ اس حکم کے بعد لازمی طور پر سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا کو سالم سے پردہ کرنا تھا، تو جس کو بیٹا بنا کر پالا ہو، اس سے پردہ کرنا اور یک لخت اس سے جدا ہو جانا، سہلہ رضی اللہ عنہا پر گراں گزرا، ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بھی بہت پریشان ہوئے۔

تب سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس چلی آئیں، عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ معاملہ درپیش ہے، فرمایا:

أَرْضِعِيهِ، قَالَتْ: وَكَيْفَ أُرْضِعُهُ؟ وَهُوَ رَجُلٌ كَبِيرٌ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ.

''آپ اسے دودھ پلا دیں، کہنے لگیں: دودھ کیسے پلا دوں، وہ تو بڑے ہو گئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ مسکرائے، فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ وہ بڑے ہو چکے ہیں۔''

(صحيح مسلم : 1453، المُنتقٰى لابن الجارود : 690)

اسلامی احکام کی رو سے، یہ حدیث بالکل صحیح اور ثابت ہے، اس میں دو رائے نہیں، کیونکہ عمومی قاعدہ دودھ نہ پلانے کا سہی، لیکن کسی ایک شخص کو استثنا دے دینا رسول اللہ ﷺ کا اختیار ہے، سو آپ نے اپنا اختیار استعمال کیا اور یہ اللہ کی اجازت سے ہوا۔

اس کی سند بھی صحیح ہے، بیان کرنے والے سچے ہیں، ائمہ ہیں، ان کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا گیا، بلکہ بعد از تحقیق بسیار ان کو سچا پایا گیا، پھر قرآنی حکم کے مطابق ان کی دی ہوئی خبر کو قبول کر لیا گیا، یہ حدیث عقل اور منطق کے کسی ایک تقاضے کے مخالف نہیں، رسول اللہ ﷺ سے اس کا ثبوت قطعی ہے۔

لیکن ملحدین، منکرین حدیث اور عقل پرستوں نے اپنی عادت کے مطابق اس حدیث پر مختلف طریقوں سے اعتراضات وارد کر رکھے ہیں، ملحدین کو یہ چیز شرم وحیا کے منافی نظر آتی ہے، حالانکہ یہ وہی لوگ ہیں، جن کے نزدیک سرے سے شادی کی ضرورت تک محسوس نہیں کی جاتی، مرد وزن کے ہمہ جہتی تعلقات ان کا من پسند موضوع ہیں، اس سلسلہ میں اسلام کو ہدف تنقید بھی بناتے رہتے ہیں، لیکن یہاں آن کر ان کو شرم وحیا یاد آ جاتی ہے!

اسی طرح جدید منکرین حدیث کا معاملہ ہے، جو کلی طور پر احادیث کے انکار کی جرأت نہیں پاتے، لیکن کچھ نہ کچھ احادیث کے مضمون کو سمجھے بغیر ان پر رد کرنا اپنا فرض منصبی سمجھ لیتے ہیں، وہ اسے اپنے ایمان کا تقاضہ بھی قرار دیتے ہیں، ولے حیرت، کہ ان کا ایمان پوری امت سے بڑھ گیا ہے؟ کیا یہ لوگ بخاری، مسلم اور احمد بن حنبل کیسے ائمہ سنت سے زیادہ غیور واقع ہوئے ہیں، پوری امت نے قرن ہا قرن اس حدیث کو تلقی بالقبول سے نوازا ہے، فقہا نے اس حدیث پر اختلافات کی بنیاد رکھی ہے، استنباط واستدلالات کئے

ہیں، لیکن کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ مذکورہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہوسکتی، یا عقل کے تقاضے اس سے ابا کرتے ہیں۔

وہ لوگ اصول تحقیق اور عقل ومنطق سے اچھی طرح واقف تھے، وہ اسلام کے مزاج کو بھی سمجھتے تھے، اسی لئے ان کو اس حدیث میں قابل اعتراض چیز نظر نہیں آئی، وہ قبول کرتے آئے، محدثین، شارحین حدیث، فقہا، متکلمین اور خطبا اس پر اپنے استدلال کی بنیادیں رکھتے رہے۔

بجا کہ ایک خاتون ایک مرد کو دودھ نہیں پلا سکتی، لیکن کسی کا استثنا بھی تو ہوسکتا ہے، یہ ویسا ہی استثنا سمجھ لیجئے، جیسا استثنا عمومی حالات میں ہوتا ہے، ایک خاتون عام مردوں کے سامنے برہنہ نہیں ہوسکتی، لیکن اپنے خاوند کے ساتھ بعد از برہنگی معاملات بھی طے کرتی ہے، اس کو کوئی بھی بے حیائی اور بے شرمی نہیں کہتا، بلکہ اس کو ضروری امر قرار دیا جاتا ہے، جب ان معاملات میں ایک خاتون کے لئے ایک مرد کا استثنا ثابت ہوجانے سے وہ بے حیا نہیں ہوجاتے، تو ایک منہ بولے بیٹے کو بڑی عمر میں دودھ پلا دینے سے ایک ماں بے حیا کیوں کر ہوگئی؟ یا اس میں حیا کے منافی پہلو کون سے آ گئے؟

امت کے ایک خاص ماں بیٹے کا معاملہ تھا، سالم کو منہ بولے بیٹے سے رضاعی بیٹا بنانا تھا، اس کے لئے مذکورہ فعل سے بہتر کوئی راستہ موجود نہیں تھا، سو یہی راستہ اختیار کرلیا گیا۔

یہ ایک صحابی کے لئے رخصت ہے کہ اس کا پریشان رہنا اللہ کو منظور نہ تھا، وہ تو وہ لوگ تھے، اللہ پر قسم اٹھا لیتے تھے، تو اللہ ان کی قسموں کی لاج رکھ لیا کرتا تھا، ایک صحابی کی گواہی کو دو کے برابر قرار دے دیا جاتا تھا، ان کو اگر قربانی کا مطلوب جانور نہیں ملتا تھا، تو ان کو کھیرے جانور کی قربانی کی اجازت دے دی جاتی تھی، بعینہ یہ رخصت بھی دے دی گئی تھی۔

اب یہاں کوئی اعتراض اٹھا سکتا ہے کہ سالم نے اس عورت کو چھوا بھی ہوگا، جبکہ چھونا حرام ہے، اس اعتراض کا جواب مگر صدیوں پہلے دیا جا چکا ہے۔

❁ شارح صحیح مسلم، حافظ نووی (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِي : لَعَلَّهَا حَلَبَتْهُ ثُمَّ شَرِبَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ ثَدْيَهَا وَلَا الْتَقَتْ بَشَرَتَاهُمَا وَهٰذَا الَّذِي قَالَهُ الْقَاضِي حَسَنٌ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ عُفِيَ عَنْ مَسِّهِ لِلْحَاجَةِ كَمَا خُصَّ بِالرَّضَاعَةِ مَعَ الْكِبَرِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: ممکن ہے کہ سیدہ سہلہ رضی اللہ عنہا نے سالم کو دودھ نکال کر دے دیا ہو اور انہوں نے پی لیا ہو، سینے کو نہ چھوا ہو، دونوں کے جسم آپس میں نہ ملے ہوں، قاضی رحمہ اللہ کی یہ بہت خوب صورت توجیہ ہے۔ یہاں ایک دوسری صورت بھی ممکن ہے، وہ یوں کہ جب ایک شخص کو خاص طور پر دودھ پینے کی اجازت دی جا سکتی ہے، اسے چھونے میں بھی عام قاعدے سے استثنا مل سکتا ہے۔''

(شرح صحیح مسلم : 31/10)

آخر میں ہم اسی مسئلہ کے ایک اہم جزو کی طرف اشارہ کریں گے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور متاخرین میں سے حافظ ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے رضاعت کبیر کو جائز قرار دیا ہے اور اسی حدیث کو بنیاد بنایا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ بحالت مجبوری اس چیز کے جواز کے قائل تھے، یعنی یہ بزرگ اور خود ہماری ماں، اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتی تھیں، تب ہی تو اس سے استدلال بھی جائز سمجھتی تھیں، وگرنہ اس سے

استدلال لینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ الگ بات کہ ان بزرگوں کا مذکورہ استدلال درست نہیں، کیونکہ خود دیگر ازواج مطہرات نے ماں جی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اختلاف کیا تھا۔

❁ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَبٰى سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ أَحَدًا بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ، وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ : وَاللّٰهِ مَا نَرٰى هٰذَا إِلَّا رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ خَاصَّةً، فَمَا هُوَ بِدَاخِلٍ عَلَيْنَا أَحَدٌ بِهٰذِهِ الرَّضَاعَةِ، وَلَا رَائِينَا .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں نے اس سے انکار کیا کہ کوئی اس طرح رضاعت کا رشتہ ثابت کر لے، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی تھیں کہ بخدا! یہ چیز ایک رخصت تھی، جو سیدنا سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی، اس قسم کی رضاعت کی بنا پر کوئی شخص ہمارے پاس نہ آئے اور نہ ہم کو دیکھے۔''

(صحيح مسلم : 1454)

اس پر بھی غور کیجئے کہ امہات المومنین نے بھی ہرگز اس روایت سے انکار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے بھی اس کو رخصت سے تعبیر کیا، لیکن آج کچھ بدبخت شاید امت کی ماؤں سے بھی زیادہ غیور واقع ہوئے ہیں، تف ہے ان کی اس سوچ پر!

۲۔ موسیٰ علیہ السلام کو اذیت:

❁ قرآن کریم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسٰى فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ

مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا﴾(الأحزاب: 69)

''اہل ایمان! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی، تو اللہ نے آپ کو ان کے الزامات سے مبرا قرار دیا، موسیٰ علیہ السلام اللہ کے ہاں وجیہ شخصیت کے مالک تھے۔''

اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ بنو اسرائیل نے آپ علیہ السلام کے جسم کے متعلق عیب جوئیاں کی تھیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم حیا کا فطری درس بھلا چکی تھی اور معاشرے میں برہنگی کا عروج تھا، تہذیب وتمدن سے پردہ کی خصوصیات مٹ چکی تھیں، یہ ایک ہی حمام میں نہا لیتے تھے، ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو دیکھ بھی لیا کرتے تھے، برہنگی ان کے لئے فخر کا باعث تھی، انسان جب فطرت سے لڑنے بیٹھ جائے، تو اس میں ایک طرح سے تفاخر کی نفسیات جنم لیتی ہیں، وہ تمام بنی نوع انسان کو اپنے جیسا بنا لینے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ اپنے ننگے پن کو نظریات کے خوب صورت لبادے میں چھپانا چاہتا ہے، ایسے میں اس کو کوئی فطرت کی طرف واپس لانا چاہے، تو یہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، بلکہ اس پر الزام واتہام رکھنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی بیتی، آپ چونکہ فطرت کے پیامبر تھے، اس لئے شرم وحیا کا مجسم نمونہ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قوم سے الگ تھلگ جا کر غسل کیا کرتے تھے، تب پھر قوم نے ان پر طرح طرح کے الزام لگانے شروع کر دیئے، وہ کہتے تھے کہ موسی کو یا تو برص کی بیماری ہے، یا پھر ان کے خصیتین بڑے بڑے ہیں، اس لئے وہ ہمارے ساتھ مل کر نہیں نہاتے ہیں اور شاید اسی لئے چھپتے پھرتے ہیں۔

یہ سلسلہ چہ مگوئیوں سے شروع ہوا ہوگا اور طعنوں تک پہنچ گیا ہوگا، لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس پر تکلیف دیتے ہیں، ہوٹنگ کرتے ہیں، عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں، یوں بھی ہوتا ہوگا کہ کبھی دعوت دینے کے لئے جائیں اور قوم ان سے بھاگ جاتی ہو، ذہن کو اس طرح کے دھچکے لگنے کا عمل انتہائی تکلیف دہ ہوا کرتا ہے اور ایسی باتیں دعوت کے عمل میں حائل ہو جاتی ہیں۔

کبھی سوچیے تو، جب الزامات واتہامات کا سلسلہ اتنا دراز ہو چکا ہو، تب پھر کوئی انسان ان سے نکلنے کا کیا طریقہ اختیار کر سکتا ہے؟

یا تو وہ لوگوں کو بتائے کہ میں ایسی ویسی بیماری سے بری ہوں، لیکن جب پوری قوم ایک الزام پر متفق ہو چکی ہو، وہ صرف کہنے سے کب مانتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ آپ اپنی قوم کے سامنے ننگے ہو کر چلے جاتے، ان کے ساتھ مل کر نہا لیا کرتے، اس سے یہ الزام مٹ جاتا، مگر دین کی دعوت دب جاتی، جس نبی نے لوگوں کو حیا کا درس دینا ہو، وہ خود ان کے سامنے ننگا پھرے، کیسا عجیب لگتا ہے، حالات کنٹرول سے باہر ہو چکے اور اذیتوں کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ اللہ کے نبی کو قوم سے کہنا پڑا:

﴿يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ﴾

(الصّفّ : 5)

''میری قوم! مجھے تکلیف کیوں دیتے ہو، تم جانتے بھی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''

ان جملوں میں غور کیجیے، کیسا بے بسی کا عالم ہے، کتنا کرب اور کتنی اذیت ہے کہ ایک صابر پیغمبر تڑپ کر کہہ اٹھا ہے، اب بس بھی کرو، میں تمہارا نبی ہوں، مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔ تب پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کا انتظام کیا، قوم کے منہ بند کرنے کا رستہ نکالا گیا۔

❁ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

خَلَا يَوْمًا وَحْدَهُ، فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلٰى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا، وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ، فَأَخَذَ مُوسٰى عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: ثَوْبِي حَجَرُ، ثَوْبِي حَجَرُ، حَتَّى انْتَهٰى إِلٰى مَلَإٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ، وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُولُونَ، وَقَامَ الْحَجَرُ، فَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَلَبِسَهُ، وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ، فَوَاللّٰهِ إِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِّنْ أَثَرِ ضَرْبِهِ، ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا.

''ایک روز وہ قوم سے الگ تھلگ نہا رہے تھے، اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ دیئے تھے، نہا کر نکلے اور پتھر سے کپڑے اٹھانے کو آئے، تو پتھر آگے کو چلنے لگا، آپ اس کے پیچھے بھاگنے لگے اور آوازیں لگاتے جاتے تھے، پتھر میرے کپڑے دے دو، پتھر میرے کپڑے۔ یوں ہی وہ بنو اسرائیل کے ایک گروہ کے پاس جا کر پتھر رک گیا، موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے کپڑے لئے، پہنے اور پھر غصے میں پتھر کو مارنے لگے، تین چار پانچ ڈنڈے مارے، پتھر پر نشان پڑ گیا۔''

ادھر بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کی حسین ترین تخلیق ہیں، یوں اللہ نے اپنے نبی کو ان الزامات سے مبرا کر دیا۔

(صحيح البخاري: 3404)

یہ حدیث صحیح بخاری (۲۷۸) اور صحیح مسلم (۳۳۹) میں بھی آتی ہے۔

اللہ اللہ! خدا نے اپنے نبی کے لئے کتنا خوب صورت انتظام کیا، آپ کبھی سوچئے اور سوچ سوچ کر تھک جائیے کہ ایسی صورت حال میں اپنے نبی کی برأت کا اس سے بہتر انتظام کوئی ہوسکتا تھا؟

لیکن ٹیڑھے دل کو یہاں بھی اعتراض کی سوجھتی ہے، اس کو یہ اعتراض ہے کہ ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کا ننگا ہو جانا اسلام کے خلاف ہے۔

لیکن ان کو کوئی بتائے کہ وہ خود سے ننگے ہوں، تب واقعی اسلام کے خلاف ہے، لیکن ان کو کسی مجبوری کی وجہ سے ننگا دکھا دیا جائے، تو اسلام کے خلاف کیسے ہو گیا؟

مجبوری کی حالت میں معالج یا کوئی دوسرا شخص انسانی بدن کو دیکھ سکتا ہے، حتیٰ کہ چھو بھی سکتا ہے، تو ایسی ہی ایک کنڈیشن میں اللہ کی طرف سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر لگنے والے الزام کو غلط کر دیا گیا، جس میں ایک نبی پر برہنگی کا الزام بھی نہیں آیا اور لوگوں کے سامنے اصل حقیقت بھی کھل گئی، الزامات جاتے رہے، طعنے اور پھبتیاں ہوا ہوئیں۔

کج فہموں کا ماننا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات نہیں فرما سکتے، ان سے کوئی پوچھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک واقعہ کیوں بیان نہیں کر سکتے، کیا آپ پر واقعہ بیان کرنے پہ پابندی ہے؟

قرآن نے یہ واقعہ اجمالا بیان کیا، اس میں بتایا گیا کہ اعتراض آپ کے جسم کے کسی حصہ پر تھا، کیا منہ پر اعتراض تھا؟

منہ کو انسان چھپاتا ہی کب ہے، جو منہ پر اعتراض ہو؟

اعتراض جسم پر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تفصیل سے بیان کر دیا کہ جسم پر کیا اعتراض تھا، شرمگاہ کے علاوہ کوئی اعتراض ہوتا، تو موسیٰ علیہ السلام ان کو دکھا دیتے، تب پھر اذیت

کی صورت ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی۔اذیت بنتی کب ہے؟

جب وہی اعتراض ہو، وہی صورت حال ہو، جو حدیث میں بیان کر دی گئی ہے اور پھر اللہ نے اس اذیت سے نکال لینے کا جیسا انتظام کر دیا، ویسا ہی ممکن تھا، اگر کچھ اور ممکن تھا، تو آپ ضرور بتایئے!

محدثین امت، ائمہ اسلام، سلف امت اور اہل سنت اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں اور اسے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتے، تم اپنے غصے میں پاگل ہو جاؤ، لیکن اسلامی تعلیمات کو عقل و نقل کے اصولوں کے منافی ثابت نہیں کر سکتے، کہ یہ خدا کا چراغ ہے، جسے پھونکوں سے بجھانے والے خود مٹ گئے اور مٹ جاتے رہیں گے۔

۳۔ کیا صحابہ مرتد ہو گئے تھے؟:

❁ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے اپنے حوض کا ذکر کیا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، آپ نے اس خطبہ میں فرمایا:

أَلَا وَإِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُصَيْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ، فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾(المائدة : 117)، فَيُقَالُ: إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ.

''میری امت کے لوگ میرے حوض پر آئیں گے۔ان کو دائیں جانب سے

پکڑ لیا جائے گا، میں کہوں گا، اللہ! یہ میرے امتی ہیں، کہا جائے گا: پیغمبر تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں، تو میں وہی بات کہوں جو اللہ کے نیک بندے عیسیٰ اپنی امت کے متعلق کہیں گے: ''میں جب تک ان میں تھا، ان کا گواہ تھا، پھر جب میں تیرے پاس آ گیا، تب تو ہی ان پر گواہ تھا۔'' پھر کہا جائے گا، آپ کے ان کو چھوڑ آنے کے بعد یہ لوگ اپنے پاؤں کے بل پھر گئے تھے۔''

(صحيح البخاري : 4635، صحيح مسلم : 2807)

❁ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ .

''میرے پاس حوض پر کچھ اقوام آئیں گی، میں انہیں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی۔''

(صحيح البخاري : 6583، صحيح مسلم : 2290)

❁ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حوض کوثر کا ذکر کیا، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے محبوب! آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا: جی ہاں:

سِيمَا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ غَيْرِكُمْ تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرًّا مُّحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، وَلَيُصَدَّنَّ عَنِّي طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ فَلَا يَصِلُونَ، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ هٰؤُلَاءِ مِنْ أَصْحَابِي، فَيُجِيبُنِي مَلَكٌ، فَيَقُولُ : وَهَلْ تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ؟

''میری امت کی ایک مخصوص نشانی ہے، جو دوسروں کی نہیں ہے، آپ میرے

پاس آئیں گے، تو وضو کے آثار کی وجہ سے چمک رہے ہوں گے، پھر ایک گروہ کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا، وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے، میں کہوں گا، اللہ! یہ میرے امتی ہیں، تو فرشتہ کہے گا: اے پیغمبر! کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں؟''

(صحيح مسلم : 247)

ان احادیث میں ''اصحابی'' کا لفظ وارد ہوا ہے اور ہم نے اس کا ترجمہ امتی کیا ہے، کیونکہ عربی زبان میں صاحب، امتی کے معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اسی طرح پیروکار کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اصحاب ابی حنیفہ، اصحاب مالک، اصحاب شافعی وغیرہ کہا جاتا ہے، تو اس سے مراد ان کے مذہب پر چلنے والا طائفہ اور گروہ ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ بعض احادیث میں صریحاً امتی کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔

❀ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي عَلَى الْحَوْضِ حَتّٰى أَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكُمْ دُونِي، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ مِنِّي وَمِنْ أُمَّتِي، فَيُقَالُ : هَلْ شَعَرْتَ مَا عَمِلُوا بَعْدَكَ، وَاللّٰهِ مَا بَرِحُوا يَرْجِعُونَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ .

''میں حوض پر ہوں گا کہ آپ میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، میں کہوں گا: اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میری امت سے ہیں، کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا اعمال کئے، یہ لوگ اپنے پاؤں کے بل پھر گئے۔''

(صحيح البخاري : 6593، صحيح مسلم : 27)

اس حدیث سے دو چیزیں کھل گئی ہیں:

① امتی کے لفظ نے اصحابی کا معنی متعین کر دیا ہے، احادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

② ایک ہی لفظ کے مختلف معنوں کی صریح مثال موجود ہے، وہ یوں کہ اس حدیث میں ایک لفظ استعمال ہوا ہے: ''منی'' اللہ یہ مجھ سے ہیں، یہی لفظ اہل بیت کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے کہ وہ ''منی'' مجھ سے ہیں۔

اس سے وضاحت ہوگئی کہ ایک ہی لفظ مختلف مواقع پر الگ الگ معانی میں مستعمل ہو سکتا ہے، کیونکہ جب اہل بیت کے لئے ''منی'' بولا گیا، تو ایک خاص امتیاز دینا مراد تھا، لیکن اس روایت میں صرف امتی کے لئے ''منی'' کا لفظ بول دیا گیا، حالانکہ وہ بدعتی بھی ہے۔

لہٰذا صرف لفظوں کے پیچھے بھاگنا درست نہیں، وگرنہ کوئی بد بخت ہی ہوگا جو ''منی'' کے لفظ سے اہل بیت کی مراد خاص کر کے ان کو اس حدیث کا مصداق ٹھہرا دے، ہم اس شخص پر تف کہتے ہیں اور اس کی عقل پر افسوس کرتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص اصحابی کا لفظ صرف صحابہ کرام کے لئے خاص کر لے، اس کی عقل پر بھی تھوکتے ہیں۔

۞ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ (۲۷۶ھ) فرماتے ہیں:

''بھلا کیوں کر ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام سے پھر جانا ہو، انہیں لوگوں کی مثالیں اللہ تورات وانجیل میں بیان کر دے، ان سے رضا کے پیمانے جاری کر دے، اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، یا تم کہو کہ اللہ کو ان کے مرتد ہو جانے کی خبر تھی، پھر بھی اللہ نے ان کی

طرف رضا کے سرٹیفکیٹ بھیج دیئے، یا تم کہو کہ اللہ کو خیر سے پتہ ہی کوئی نہیں تھا، یہ تو ہم کو پتہ چل گیا، جو بھی کہو گے، کافر قرار دیئے جاؤ گے۔''

(تاویل مختلف الحدیث، ص 342)

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ عرب کے سخت دل بدو لوگ تھے، جو مرتد ہو گئے تھے۔

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ يَرْتَدَّ أَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ بَعْدَهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَإِنَّمَا ارْتَدَّ قَوْمٌ مِّنْ جُفَاةِ الْأَعْرَابِ .

''نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ میں سے تو کوئی بھی مرتد نہیں ہوا، بلکہ عرب کے سخت دل خانہ بدوشوں کا ایک گروہ مرتد ہوا تھا۔''

(إعلام الحديث : 1843/3)

اس تصریح سے بعض منکرین حدیث کا اعتراض بھی ہوا ہو جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں قرآن کے مخالف احادیث موجود ہیں، قرآن تو صحابہ کی شان بیان کرتا ہے اور حدیث ان کو مرتد کہتی ہے، حالانکہ حدیث نے بالکل بھی صحابہ کو مرتد نہیں کہا، جیسا کہ ہم تفصیل بیان کر چکے۔

۴۔ اگر حواء علیہا السلام نہ ہوتیں!

① لَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنَّ أُنْثٰى زَوْجَهَا کا کیا مطلب ہے؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنَّ أُنْثٰى

زَوْجَهَا .

''اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے، تو کبھی گوشت بد بودار نہ ہوتا، اگر حواء نہ ہوتیں، تو کوئی عورت شوہر کی نافرمانی نہ کرتی۔''

(صحيح البخاري : 3330، صحيح مسلم : 1470)

کسی چیز کی نسبت اس کے سبب کی طرف کرنا جائز ہے۔ خواہ سبب شرعی ہو یا حسی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ .

''اگر میں نہ ہوتا، تو ابو طالب جہنم کے گڑھے میں ہوتے۔''

(صحيح البخاري : 3843، صحيح مسلم : 209)

اہل علم حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے من وسلویٰ ذخیرہ کرنا شروع کر دیا تھا، جس کی وجہ سے وہ گل سڑ گیا۔ ان کے اس اقدام کے بعد گوشت گل سڑ جاتا ہے، تو سبب بنی اسرائیل بنے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ گوشت بنی اسرائیل سے پہلے بھی گلتا سڑتا تھا، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بنی اسرائیل ذخیرہ اندوزی کریں گے، یوں گوشت خراب ہونے کا سبب بنی اسرائیل بنے، لہٰذا انہی کی طرف نسبت کر دی۔

سیدہ حواء علیہا السلام ابلیس لعین کے بہکاوے میں آ کر درخت کھا بیٹھیں اور آدم علیہ السلام کو بھی درخت کھانے پر اکسایا۔ اس غلطی کے اثرات حواء کی بیٹیوں میں بھی سرایت کر گئے، کیوں کہ ماں کی جبلت اور طبیعت اولاد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر حواء علیہا السلام ایسا نہ کرتیں، تو ان کی بیٹیوں کی جبلت میں شوہروں کی نافرمانی نفوذ نہ کرتی۔

فائدہ:

❁ **سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**

إِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ، فَلَا تَقُلْ : لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ : قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ .

''اگر آپ کو کوئی مصیبت آئے، تو یہ مت کہنا ''اگر میں یوں کرتا، تو یوں ہو جاتا۔'' بلکہ یہ کہیں کہ یہ اللہ فیصلہ ہے، اس نے جیسا چاہا، کر دیا، کیونکہ ''اگر'' کا لفظ شیطان عمل کو کھول دیتا ہے۔''

(صحيح مسلم : 2664)

❁ **شارح صحیح مسلم، حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) لکھتے ہیں:**

لَا مُعَارَضَةَ بَيْنَ هٰذَا وَبَيْنَ حَدِيثِ النَّهْيِ عَنْ لَوْ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾ ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾ وَكَذٰلِكَ مَا جَاءَ مِنْ لَوْلَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ﴾ ﴿وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً لَجَعَلْنَا﴾ ﴿وَلَوْلَا أَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهٖ﴾ لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مُخْبِرٌ فِي كُلِّ ذٰلِكَ عَمَّا مَضٰى أَوْ يَأْتِي عَنْ عِلْمٍ خَبَرًا قَطْعِيًّا وَكُلُّ مَا يَكُونُ مِنْ لَوْ وَلَوْلَا مِمَّا يُخْبِرُ بِهِ الْإِنْسَانُ عَنْ عِلَّةِ امْتِنَاعِهٖ مِنْ فِعْلِهٖ مِمَّا يَكُونُ فِعْلُهٗ فِي قُدْرَتِهٖ فَلَا كَرَاهَةَ فِيهِ لِأَنَّهٗ إِخْبَارُ حَقِيقَةٍ عَنِ امْتِنَاعِ شَيْءٍ لِسَبَبِ شَيْءٍ وَّحُصُولِ

شَيْءٍ لِامْتِنَاعِ شَيْءٍ وَّتَأْتِي لَوْ غَالِبًا لِبَيَانِ السَّبَبِ الْمُوجِبِ أَوِ النَّافِي فَلَا كَرَاهَةَ فِي كُلِّ مَا كَانَ مِنْ هٰذَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَاذِبًا فِي ذٰلِكَ كَقَوْلِ الْمُنَافِقِينَ : ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ﴾ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''اس (حواء علیہا السلام والی) حدیث میں اور کلمہ لَوْ کی ممانعت والی حدیث میں کوئی تعارض نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾ ''کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے، تب بھی جن پر قتل ہونا لکھ دیا گیا تھا، وہ اپنی قتل ہونے والی جگہوں پر پہنچ جاتے۔'' ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾ ''اگر انہیں واپس بھیج بھی دیا جائے، تو وہ وہی کریں گے، جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔'' اس طرح کلمہ ''لولا'' کا استعال بھی ہوا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوح محفوظ میں لکھا نہ ہوتا، تو تمہیں عذاب پہنچ جاتا۔'' ﴿وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ......﴾ ''اگر یہ نہ ہوتا کہ تم ایک ہی امت بن جاؤ گے، تو ہم ......'' ﴿وَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهٖ﴾ ''اگر وہ (نبی یونس) اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے، تو مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام آیات میں ماضی کی خبر دی ہے۔ یا اپنے علم سے قطعی خبر دی ہے۔ اگر انسان کلمہ لو یا لولا کے ساتھ اپنے

کسی ایسے کام کے نہ کرنے کی وجہ بتائے، جو کام اس کی قدرت میں تھا، تو اس میں کوئی کراہت نہیں، کیونکہ یہ تو محض ایک حقیقت کی خبر ہے کہ اس کے فلاں کام نہ کرنے کی وجہ کیا بنی اور فلاں کام نہ کرنے سے حاصل کیا ہوا۔ کلمہ لو اکثر کسی مثبت یا منفی سبب کے بیان کے لیے استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس استعمال میں کوئی کراہت نہیں۔ البتہ اس میں جھوٹ نہ بولا جائے، جیسا کہ منافقین کہتے تھے: ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ﴾ ''اگر ہمیں لڑائی کرنے کا علم ہوتا، تو ہم بھی تمہارے پیچھے چلتے۔'' واللہ اعلم!''

(شرح مسلم: 122/11)

۵۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا غسل کرنا:

کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے اور رضاعی بھائی کے سامنے غسل کیا تھا؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے بھانجے اور رضاعی بھائی کے سامنے غسل کرنا ثابت نہیں۔

البتہ یہ ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تقریبا ایک صاع پانی سے غسل کیا تھا۔

❁ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں:

دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُو عَائِشَةَ عَلٰی عَائِشَةَ، فَسَأَلَهَا أَخُوهَا عَنْ غُسْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوًا مِّنْ صَاعٍ، فَاغْتَسَلَتْ، وَأَفَاضَتْ عَلٰی رَأْسِهَا، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ.

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس میں اور سیدہ کا بھائی آئے، سیدہ کے بھائی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی بابت پوچھا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے تقریبا ایک صاع پانی

منگوایا، غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا۔ ہمارے اور ان کے مابین پردہ تھا۔‘‘

(صحيح البخاري :251، صحيح مسلم : 320)

أَفَاضَتْ عَلَى رَأْسِهَا سے یہ استدلال کہ سیدہ نے ان کے سامنے غسل کیا تھا، درست نہیں۔

٦۔ کیا بیماری متعدی ہوتی ہے؟

جی ہاں! بیماری متعدی ہوتی ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا عَدْوٰی . ’’کوئی بیماری متعدی نہیں۔‘‘

(صحيح البخاري : 5757، صحيح مسلم : 2220)

❁ ایک دیہاتی کہنے لگا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَمَا بَالُ الْإِبِلِ، تَكُونُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ، فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيرُ الْأَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ .

’’اللہ کے رسول! تو ان اونٹوں کے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے، جو صحرا میں ہوتے ہیں، گویا کہ ہرن ہوں، ان سے ایک خارش زدہ اونٹ ملتا ہے اور سب کو خارش لگا دیتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پہلے اونٹ کو بیماری کس نے لگائی ؟‘‘

(صحيح البخاري : 5770، صحيح مسلم :2221)

❁ اس کے برخلاف روایت ہے:

لَا يُورِدُ الْمُمْرِضُ عَلَى الْمُصِحِّ .

''بیمار کو صحت مند کے پاس نہ لائیے۔''(صحيح مسلم :2221)

❁ دوسری روایت ہے:

فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ .

''کوڑھ زدہ آدمی سے ایسے بھاگیں، جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔''

(صحيح البخاري : 5707)

❁ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَّأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ .

''اگر تمہیں کسی جگہ کوڑھ کے مرض کا علم ہو، تو وہاں مت جاؤ اور اگر تمہارے علاقے میں کوڑھ کا مرض نازل ہو، تو وہاں سے بھاگ کر مت جاؤ۔''

(صحيح البخاري : 5729، صحيح مسلم : 2219)

بیماری متعدی ہوسکتی ہے، جن احادیث میں نفی وارد ہے، ان سے مراد جاہلی عقائد کی نفی مقصود ہے، وہ یہ کہ بیماری بذات خود متعدی ہوتی ہے، جبکہ صحیح یہ ہے کہ بیماری متعدی ہوتی ہے، لیکن اللہ کی مشیت وارادہ سے۔ اللہ چاہے، تو بیمار سے تندرست کو لگا دے، چاہے نہ لگائے۔ جیسا کہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بَابُ لَا عَدْوٰى عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَعْتَقِدُونَهٗ مِنْ إِضَافَةِ الْفِعْلِ إِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى .

''بیماری کے متعدی ہونے کی نفی زمانہ جاہلیت کے اعتقاد کی نفی ہے کہ جو فعل کو

غیراللہ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔''

(السّنن الکبرٰی: 216/7)

۞ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا حُجَّةَ فِي هٰذَا لِمَنْ أَنْكَرَ الْأَسْبَابَ، بَلْ فِيهِ إِثْبَاتُ الْقَدَرِ، وَرَدُّ الْأَسْبَابِ كُلِّهَا إِلَى الْفَاعِلِ الْأَوَّلِ؛ إِذْ لَوْ كَانَ كُلُّ سَبَبٍ مُسْتَنِدًا إِلٰى سَبَبٍ قَبْلَهُ لَا إِلٰى غَايَةٍ لَزِمَ التَّسَلْسُلُ فِي الْأَسْبَابِ، وَهُوَ مُمْتَنِعٌ؛ فَقَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّسَلْسُلَ بِقَوْلِهٖ: فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ، إِذْ لَوْ كَانَ الْأَوَّلُ قَدْ جَرِبَ بِالْعَدْوٰى وَالَّذِي قَبْلَهُ كَذٰلِكَ لَا إِلٰى غَايَةٍ لَزِمَ التَّسَلْسُلُ الْمُمْتَنَعُ.

''اس حدیث میں اسباب کا انکار کرنے والے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس میں تقدیر کا اثبات ہے اور یہ کہ تمام اسباب کو فاعل اول کی طرف لوٹایا جائے، کیونکہ اگر ہر سبب کو اس سے ماقبل سبب کی طرف لوٹایا جائے، تو اسباب میں تسلسل لازم آئے گا، جو کہ ممتنع ہے، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے یہ فرما کر اس تسلسل کی نفی کر دی: پہلے اونٹ کو خارش کس نے لگائی؟ کیونکہ اگر پہلے اونٹ کو خارش بیماری متعدی ہونے سے لگی ہے، تو اس سے پچھلے کو بھی متعدی ہونے سے ہی لگی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہوگی، تو ممنوع تسلسل لازم آئے گا۔''

(إعلام الموقعین: ٣٠٢/٤)

۞ شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ (۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ إِثْبَاتٌ لِتَأْثِيرِ الْعَدْوٰى، لٰكِنْ تَأْثِيرُهَا لَيْسَ أَمْرًا حَتْمِيًّا،

بِحَيْثُ تَكُونُ عِلَّةً فِاعِلَةً، وَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْفِرَارِ، وَأَنْ لَّا يُورِدَ مُمَرِّضٌ عَلٰى مُصِحٍّ مِنْ بَابِ تَجَنُّبِ الْأَسْبَابِ لَا مِنْ بَابِ تَأْثِيرِ الْأَسْبَابِ بِنَفْسِهَا، فَالْأَسْبَابُ لَا تُؤَثِّرُ بِنَفْسِهَا، لٰكِنْ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَجَنَّبَ الْأَسْبَابَ الَّتِي تَكُونُ سَبَبًا لِّلْبَلَاءِ، لِقَوْلِهِ تَعَالٰى : ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾، وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُّقَالَ : إِنَّ الرَّسُولَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْكِرُ تَأْثِيرَ الْعَدْوٰى، لِأَنَّ هٰذَا أَمْرٌ يُّبْطِلُهُ الْوَاقِعُ وَالْأَحَادِيثُ الْأُخْرٰى فَإِنْ قِيلَ : إِنَّ الرَّسُولَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَالَ : لَا عَدْوٰى، قَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اَلْإِبِلُ تَكُونُ صَحِيحَةً مِثْلَ الظِّبَاءِ، فَيَدْخُلُهَا الْجَمَلُ الْأَجْرَبُ فَتَجْرَبُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ، يَعْنِي أَنَّ الْمَرَضَ نَزَلَ عَلَى الْأَوَّلِ بِدُونِ عَدْوٰى، بَلْ نَزَلَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَكَذٰلِكَ إِذَا انْتَقَلَ بِالْعَدْوٰى، فَقَدِ انْتَقَلَ بِأَمْرِ اللّٰهِ، وَالشَّيْءُ قَدْ يَكُونُ لَهٗ سَبَبٌ مَّعْلُومٌ وَّقَدْ لَا يَكُونُ لَهٗ سَبَبٌ مَّعْلُومٌ، فَجَرِبَ الْأَوَّلُ لَيْسَ سَبَبُهٗ مَعْلُومًا إِلَّا أَنَّهٗ بِتَقْدِيرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَجَرِبَ الَّذِي بَعْدَهٗ لَهٗ سَبَبٌ مَّعْلُومٌ، لٰكِنْ لَّوْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يَجْرَبْ، وَلِهٰذَا أَحْيَانًا تُصَابُ الْإِبِلُ بِالْجَرَبِ، ثُمَّ يَرْتَفِعُ

وَلَا تَمُوتُ، وَكَذٰلِكَ الطَّاعُونُ وَالْكَوْلِيرَا أَمْرَاضٌ مُّعَدِّيَةٌ، وَقَدْ تَدْخُلُ الْبَيْتَ فَتُصِيبُ الْبَعْضَ فَيَمُوتُونَ وَيَسْلَمُ آخَرُونَ وَلَا يُصَابُونَ، فَعَلَى الْإِنْسَانِ أَنْ يَّعْتَمِدَ عَلَى اللّٰهِ، وَيَتَوَكَّلَ عَلَيْهِ .

''اس حدیث میں متعدی بیماری کے موثر ہونے کا اثبات کیا گیا ہے، لیکن اس کا موثر ہونا حتمی معاملہ نہیں ہے کہ اس کو کسی چیز کی علت سمجھ لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھاگنے کا حکم دیا ہے، نیز یہ حکم دیا ہے کہ مریض آدمی صحیح آدمی کے پاس نہ جائے، یہ اس لئے ہے کہ بیماریوں کے اسباب سے بچا جا سکے، اس لئے نہیں کہ اسباب بجائے خود تاثیر رکھتے ہیں۔ اسباب خود کوئی تاثیر نہیں رکھتے، لیکن ہم ان سے اس لئے اجتناب کرتے ہیں کہ کسی بیماری کے آنے کا ربط نہ بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ''خود کو ہلاکت میں مت ڈالو۔'' تو یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعدی بیماری کی تاثیر کا انکار کیا ہے، کیونکہ امر واقعہ اور دیگر احادیث اس بات کا بطلان کرتی ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی چیز متعدی نہیں ہوتی۔ تو ایک شخص کہنے لگا: کبھی اونٹ بالکل صحیح ہوتا ہے، ہرن کی طرح، پھر اس کے پاس ایک خارشی اونٹ آتا ہے، تو اسے بھی خارش لگ جاتی ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلے اونٹ کو کس نے بیماری لگائی تھی؟ یعنی پہلے اونٹ پر مرض بغیر کسی تعدی کے اللہ کی جانب سے اتری تھی، اسی طرح اس نے دوسرے اونٹ میں اللہ کے حکم سے ہی نفوذ کیا۔ کسی بیماری کا سبب بسا اوقات معلوم ہوتا ہے اور بسا اوقات مجہول ہوتا ہے۔

پہلے اونٹ کو خارش لگی، اس کا کوئی معلوم سبب نہیں تھا، یہ اللہ کی تقدیر سے ہوا اور دوسرے کو خارش لگنے کا سبب معلوم ہے، لیکن اللہ چاہے، تو دوسرے اونٹ کو خارش نہیں بھی لگتی۔ اسی لئے کبھی ایک اونٹ کو خارش لگتی ہے، پھر وہ صحت مند بھی ہو جاتا ہے۔ مرتا بھی نہیں۔ اسی طرح طاعون اور ہیضہ وغیرہ متعدی امراض ہیں، ایک گھر میں داخل ہوتے ہیں، بعض بندے مر جاتے ہیں، بعض کو کچھ نہیں ہوتا، وہ سلامت رہتے ہیں، تو انسان کو اللہ پر اعتماد اور توکل کرنا چاہئے۔‘‘

(القَول المُفيد شرح كتاب التّوحيد، ص 565-566)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

كَانَتِ الْعَرَبُ تَتَوَهَّمُ الْفِعْلَ فِي الْأَسْبَابِ، كَمَا كَانَتْ تَتَوَهَّمُ نُزُولَ الْمَطَرِ بِفِعْلِ الْأَنْوَاءِ، فَأَبْطَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهِ : لَا عَدْوٰى، وَإِنَّمَا أَرَادَ إِضَافَةَ الْأَشْيَاءِ إِلَى الْقَدَرِ، وَلِهٰذَا قَالَ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ : فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ؟ وَنَهٰى عَنِ الْوُرُودِ إِلٰى بَلَدٍ فِيهِ الطَّاعُونُ لِئَلَّا يَقِفَ الْإِنْسَانُ مَعَ السَّبَبِ وَيَنْسَى الْمُسَبَّبَ، وَسَيَأْتِي فِي مُسْنَدِ أَبِي هُرَيْرَةَ : لَا يُورِدُ مُمَرِّضٌ عَلٰى مُصِحٍّ، وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ، ثُمَّ قَدْ يَسْقَمُ الْإِنْسَانُ لِمُصَاحَبَةِ السَّقِيمِ مِنْ جِهَةِ أَنَّ الرَّائِحَةَ كَانَتْ سَبَبًا فِي الْمَرَضِ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ يُعْمِلُ الْأَسْبَابَ وَقَدْ يُبْطِلُهَا .

’’اہل عرب ہر فعل پر کسی سبب کا وہم پال لیتے تھے۔ جیسا کہ وہ سمجھتے تھے کہ

بارش ستاروں کا فعل ہے۔تو رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کا رد کر دیا، فرمایا: کوئی چیز متعدی نہیں ہوتی، اس سے آپ ﷺ کی مراد تھی کہ ایسے معاملات کو تقدیر کے سپرد کیا جائے۔اسی لئے آپ ﷺ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا تھا کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ آپ ﷺ نے ایسی علاقے میں جانے سے منع فرمایا، جس میں طاعون کی وبا پھیل چکی ہو، تا کہ یوں نہ ہو کہ انسان سبب کے پیچھے پڑا رہے اور خالقِ سبب کو بھول جائے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسند میں روایت آرہی ہے۔مریض آدمی صحت مند آدمی کے پاس نہ جائے، کوڑھی سے اس طرح بھاگیں، جیسے آپ شیر سے بھاگتے ہیں۔پھر کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان مریض کے ساتھ رہتے ہوئے اس ہوا کی وجہ سے بیمار ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے مریض بیمار ہوا، تو اللہ تعالیٰ کبھی اس سبب کو عمل میں لاتے ہیں اور کبھی باطل کر دیتے ہیں۔''

(كَشف المُشكِل من حديث الصّحيحين: 472/2)

۷۔ کیا نکاح کرنا واجب ہے؟:

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبَابًا لَا نَجِدُ شَيْئًا، فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.

''جوانی کے دنوں میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، ہمیں آپ ﷺ نے فرمایا: نوجوانو! جو اسباب نکاح کی طاقت رکھتا ہے، وہ شادی کر لے، اس سے نظر اور عزت محفوظ رہے گی اور جس کے پاس وسائل نہ ہوں، وہ (نفلی) روزے رکھے، اس سے شہوت ختم ہو جائے گی۔''

(صحيح البخاري: 5066، صحيح مسلم: 1400)

❁ اس کے معارض ایک روایت ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چند صحابہ ازواج مطہرات کے پاس آئے اور نبی کریم ﷺ کے احوال معلوم کیے، تو انہوں نے اپنے تئیں یہ خیال کیا کہ ہماری عبادت تو قلیل ہے، ان میں سے ایک کہنے لگا: میں ساری رات قیام کروں گا، دوسرا کہنے لگا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا: میں شادی نہیں کروں گا، ان کی یہ باتیں نبی کریم ﷺ تک پہنچیں، تو فرمایا:

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

''جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

(صحيح البخاري: 5063، صحيح مسلم :1401)

ان میں جمع و توفیق کی صورت یوں ہے کہ جو اسباب نکاح رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ نکاح کر لے۔ یہ حکم استحبابی ہے، کیوں کہ نکاح مسنون عمل ہے۔ لیکن جو اسباب کے ہوتے ہوئے اس سنت سے اعراض کرے اور تبتل اختیار کر لے، وہ اس وعید کا حق دار ٹھہرے گا۔

فائدہ:

نکاح کا حکم مختلف ہے۔ بعض کے حق میں واجب، بعض کے حق میں مسنون اور بعض

کے حق میں مکروہ ہے۔

جو اسباب نکاح رکھتا ہو اور بدکاری کا اندیشہ بھی ہو، اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔

جو اسباب نکاح رکھتا ہے، نکاح کا اہل بھی ہے، اپنے نفس پر قابو بھی رکھ سکتا ہے اور اسے عصمت وعفت کے حوالہ سے کوئی خدشہ نہیں، ایسے شخص کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے، اگر نہ کرے، تو گناہگار نہیں۔

یاد رہے کہ اسباب نکاح نہ ہونے کی صورت میں پہلے کے لیے روزے رکھنا واجب اور دوسرے کے لیے مستحب ہوگا۔

ایسا شخص جو اسباب نکاح کے باوجود بڑھاپے، بیماری یا نامردی کی وجہ سے نکاح کا اہل نہ ہو، تو اس کے لیے نکاح کرنا مکروہ ہے۔

۸۔ بنو قریظہ میں جا کر نماز پڑھنا!:

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَا لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْأَحْزَابِ : لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضَهُمُ الْعَصْرُ فِي الطَّرِيقِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ : لَا نُصَلِّي حَتّٰى نَأْتِيَهَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ : بَلْ نُصَلِّي، لَمْ يُرَدْ مِنَّا ذٰلِكَ، فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ .

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احزاب سے واپس تشریف لائے، تو ہم سے فرمایا: ہر ایک عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی جا کر پڑھے، تو عصر کا وقت رستے میں ہی ہو

گیا، بعض کہنے لگے: ہم تو بنو قریظہ جا کر ہی نماز ادا کریں گے، جبکہ دوسرے کہنے لگے: بلکہ ہمیں نماز پڑھ لینی چاہیے، آپ ﷺ کی مراد یہ نہیں تھی۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کیا گیا، آپ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی۔‘‘

(صحيح البخاري : 946، صحيح مسلم : 1770)

صحیح مسلم (۱۷۷۰) اور صحیح ابن حبان (۴۶۶۲) میں عصر کی بجائے ظہر کے الفاظ آئے ہیں۔ان میں جمع وتوفیق کرتے ہوئے حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

أَمَّا جَمِيعُهُمْ بَيْنَ الرِّوَايَتَيْنِ فِي كَوْنِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، فَمَحْمُولٌ عَلٰى أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ كَانَ بَعْدَ دُخُولِ وَقْتِ الظُّهْرِ وَقَدْ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ بَعْضُهُمْ دُونَ بَعْضٍ، فَقِيلَ لِلَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا الظُّهْرَ لَا تُصَلُّوا الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ وَلِلَّذِينَ صَلَّوْا بِالْمَدِينَةِ لَا تُصَلُّوا الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهٗ قِيلَ لِلْجَمِيعِ وَلَا تُصَلُّوا الْعَصْرَ وَلَا الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهٗ قِيلَ لِلَّذِينَ ذَهَبُوا أَوَّلًا لَا تُصَلُّوا الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ وَلِلَّذِينَ ذَهَبُوا بَعْدَهُمْ لَا تُصَلُّوا الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ .

’’ظہر اور عصر والی روایات میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ واقعہ وقت ظہر کے بعد کا ہے۔بعض نے مدینہ میں ظہر ادا کر لی تھی، بعض نے نہیں۔ جنہوں نے ظہر ادا نہیں کی تھی، انہیں کہا گیا کہ آپ ظہر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر ادا کریں اور جو ظہر مدینہ میں ہی ادا کر چکے تھے، انہیں عصر بنو قریظہ میں ادا کرنے

کا کہا گیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جو پہلے گئے انہیں ظہر کی نماز بنوقریظہ میں پہنچ کر ادا کرنے کا کہا گیا ہو اور جو بعد میں گئے، انہیں عصر کی نماز بنوقریظہ میں جا کر ادا کرنے کا کہا گیا ہو۔ واللہ اعلم!''

(شرح صحیح مسلم: 98/12)

۹۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان!:

❀ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفَدِّي أَحَدًا غَيْرَ سَعْدٍ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: اِرْمِ فَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي أَظُنُّهُ يَوْمَ أُحُدٍ.

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی پر فدا ہوتے نہیں سنا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: (اے سعد!) آپ پر میرے ماں باپ قربان! تیر پھینکئے، میرا خیال ہے یہ غزوہ احد کا دن تھا۔''

(صحيح البخاري: 6184، صحيح مسلم: 2411)

اس کے معارض روایت میں ہے، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم رضی اللہ عنہما نے مجھے فرمایا:

فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي. ''آپ پر میرے ماں باپ قربان۔''

(صحيح البخاري: 3720، صحيح مسلم: 2416)

دونوں میں جمع و توفیق کی صورت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعزاز صرف سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو ہی نہیں دیا، بلکہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی نوازا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کے مطابق خبر دی ہے۔

۱۰۔ ابو القاسم کنیت رکھنا کیسا ہے؟:

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي .

''میرا نام رکھ سکتے ہو، کنیت نہیں۔''

(صحيح البخاري : 6187، صحيح مسلم : 2133)

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنْ وُلِدَ لِي مِنْ بَعْدِكَ وَلَدٌ أُسَمِّيهِ بِاسْمِكَ وَأُكَنِّيهِ بِكُنْيَتِكَ؟ قَالَ : نَعَمْ .

''اللہ کے رسول! اگر آپ کے بعد میرے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو، کیا میں اس کا نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت پر رکھ سکتا ہوں؟ فرمایا: جی ہاں۔''

(سنن أبي داود : 4967، سنن التّرمذي : 2843، السنن الكبرٰى للبيهقي : 309/9، وسندهٗ حسنٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ (۳۰۹/۴) نے امام بخاری وامام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❁ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا خَبَرٌ عِنْدَنَا صَحِيحٌ سَنَدُهٗ .

''ہمارے مطابق اس حدیث کی سند صحیح ہے۔''

(تهذيب الآثار [مسند طلحة بن عبيد اللّٰه] : 690)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''قوی'' کہا ہے۔

(فتح الباري: 573/10)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

دَعَا رَجُلٌ بِالْبَقِيعِ يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَمْ أَعْنِكَ قَالَ: سَمُّوا بِاسْمِي، وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي.

”بقیع میں ایک آدمی نے صدا لگائی: اے ابوالقاسم! نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف التفات فرمایا، کہنے لگا: میں نے آپ کو آواز نہیں دی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے نام پر نام رکھ لو، لیکن کنیت نہیں۔“

(صحيح البخاري: 2121)

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ فِي كِتَابِ الْأَدَبِ: سَأَلْتُ ابْنَ أَبِي أُوَيْسٍ مَا كَانَ مَالِكٌ يَقُولُ فِي الرَّجُلِ يَجْمَعُ اسْمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنْيَتَهُ؟ فَأَشَارَ إِلٰى شَيْخٍ جَالِسٍ مَعَنَا فَقَالَ: هٰذَا مُحَمَّدُ بْنُ مَالِكٍ، سَمَّاهُ مُحَمَّدًا، وَكَنَّاهُ أَبَا الْقَاسِمِ وَكَانَ يَقُولُ: إِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يُدْعٰى أَحَدٌ بِاسْمِهِ أَوْ كُنْيَتِهِ فَيَلْتَفِتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَلَا بَأْسَ بِذٰلِكَ، قَالَ حُمَيْدُ بْنُ زَنْجُوَيْهِ: إِنَّمَا كَرِهَ أَنْ يُدْعٰى أَحَدٌ بِكُنْيَتِهِ فِي حَيَاتِهِ وَلَمْ يَكْرَهْ

أَنْ يُدْعٰى بِاسْمِهٖ؛ لِأَنَّهٗ لَا يَكَادُ أَحَدٌ يَدْعُو بِاسْمِهٖ فَلَمَّا قُبِضَ ذَهَبَ ذٰلِكَ، أَلَا تَرٰى أَنَّهٗ أَذِنَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنْ وُلِدَ لَهُ ابْنٌ بَعْدَهٗ أَنْ يَجْمَعَ لَهُ الْاِسْمَ وَالْكُنْيَةَ .

''امام حمید بن زنجویہ رحمہ اللہ کتاب الادب میں فرماتے ہیں: میں نے ابن ابی اویس رحمہ اللہ سے پوچھا: امام مالک رحمہ اللہ کا اس شخص کے متعلق کیا فتویٰ تھا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کنیت دونوں رکھے؟ تو انہوں نے ایک شیخ کی طرف اشارہ کیا، جو ہمارے ساتھ ہی بیٹھے تھے کہ یہ محمد بن مالک ہیں، امام مالک رحمہ اللہ نے ان کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ ممانعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تھی، کہیں کسی کو محمد یا ابوالقاسم کہہ کر آواز دی جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم التفات فرمالیں، لیکن اب کوئی حرج نہیں ہے۔ حمید بن زنجویہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں کسی کو آپ کی کنیت سے پکارنا مکروہ تھا، لیکن نام سے پکارنا مکروہ نہیں تھا، کیونکہ کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نام سے نہیں پکارسکتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے، تو یہ کراہت ختم ہو گئی، آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ اگر ان کے ہاں بعد میں کوئی بچہ پیدا ہو، تو اس کا نام اور کنیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کنیت پر رکھ سکتے ہیں۔''

(السّنن الکبریٰ : 310/9)

عہد نبوی میں ابوالقاسم کنیت رکھنا منع تھا۔ اس ممانعت کی وجہ حدیث میں مذکور ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات ہوئی، تو وہ علت ختم ہوگئی، لہٰذا ممانعت بھی ختم ہوگئی۔

اب ابوالقاسم کنیت رکھنا مطلقا جائز ہے، نام محمد ہو یا کوئی اور ہو۔

❀ فقہ حنفی کے معتبر فتاویٰ میں لکھا ہے:

مَنْ كَانَ اسْمُهُ مُحَمَّدًا، لَا بَأْسَ بِأَنْ يُكْنٰى أَبَا الْقَاسِمِ .

''جس کا نام محمد ہو، اسے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔''

(فتاویٰ عالمگیری: ۳۶۲/۵)

۱۱۔ مقتدی آمین کب کہے؟:

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾، فَقُولُوا: آمِينَ .

''جب امام: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے، تو آپ آمین کہیں۔''

(صحيح البخاري: 782، صحيح مسلم: 410)

اس کے معارض حدیث ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا . ''جب امام آمین کہے، تو آپ آمین کہیں۔''

(صحيح البخاري: 780، صحيح مسلم: 410)

پہلی حدیث میں امام کی فاتحہ کے بعد مطلق طور پر مقتدی کو آمین کہنے کا کہا گیا ہے کہ اگر وہ فاتحہ امام سے پہلے بھی پڑھ لے، تو بھی آمین نہیں کہے گا۔ جب امام ولا الضالین کے الفاظ کہہ دے، تو وہ آمین کہے گا۔ جب کہ دوسری حدیث میں ہے کہ جب امام آمین کہے، تم بھی آمین کہو۔ اس میں مقتدی کو امام کے بعد آمین کہنے کا حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ مقتدی امام

کی آمین پر آمین کہے گا۔اس حدیث نے مقتدی کی آمین کا محل متعین کر دیا ہے۔

❁ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسْبِقْنِي بِآمِينَ . ''آمین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ لیجائیے۔''

(السّنن الکبرٰی للبیھقي : ٥٦/٢، وسندہٗ حسنٌ متصلٌ)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ إِسْنَادٌ مُتَّصِلٌ، رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ .

''یہ سند متصل ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

(تغلیق التّعلیق : ٣١٩/٢)

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

كَأَنَّ بِلَالًا كَانَ يُؤَمِّنُ مِنْ قَبْلِ تَأْمِينِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : لَا تَسْبِقْنِي بِآمِينَ ، كَمَا قَالَ : إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا .

''گویا بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آمین کہہ دیتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ مجھ سے پہلے آمین نہ کہا کریں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب امام آمین کہے، تو آپ آمین کہیں۔''

❁ علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

أَوَّلُوا قَوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ، عَلٰى بُلُوغِهٖ مَوْضِعَ التَّأْمِينِ، وَهُوَ خَاتِمَةُ الْفَاتِحَةِ، كَمَا يُقَالُ : أَنْجَدَ إِذَا بَلَغَ نَجْدًا، وَ أَتْهَمَ إِذَا بَلَغَ تِهَامَةً، وَأَحْرَمَ إِذَا بَلَغَ الْحَرَمَ، وَهٰذَا مَجَازٌ،

فَإِنْ وُجِدَ دَلِيلٌ يُرَجِّحُهُ عَلٰى ظَاهِرِ هٰذَا الْحَدِيثِ، وَهُوَ قَوْلُهُ : إِذَا أَمَّنَ، فَإِنَّهُ حَقِيقَةٌ فِي التَّأْمِينِ عُمِلَ بِهٖ، وَإِلَّا فَالْأَصْلُ عَدَمُ الْمَجَازِ .

''محدثین کرام نے فرمان نبوی: ''جب امام آمین کہے'' کا معنی یہ کیا ہے کہ جب امام آمین کی جگہ پہنچ جائے، یعنی سورت فاتحہ مکمل کر لے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: أَنْجَدَ یعنی وہ نجد پہنچ گیا، أَتْهَمَ یعنی وہ تہامہ پہنچ گیا، أَحْرَمَ یعنی وہ حرم پہنچ گیا، یہ مجاز ہے، اگر کوئی ایسی دلیل مل جائے، جو اسے اس حدیث کے ظاہری معنی جو کہ آمین کہنا ہے، پر راجح کر دے، تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ اصل عدم مجاز ہے۔''

(إحكام الأحكام :227/1)

۱۱۔ ناکردہ گناہوں کا بوجھ:

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا : الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ : إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَّصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ .

’’آپ جانتے ہیں کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض گزار ہوئے: ہم میں مفلس وہ ہے، جس کے پاس درہم (و دینار) اور مال ومتاع نہیں ہے۔ فرمایا: بلاشبہ میری امت کا مفلس ترین آدمی وہ ہے، جو روز قیامت نماز، روزوں اور زکاۃ (کے ثواب) کے ساتھ آئے گا، اس پر کسی کو گالی دینے، کسی پر تہمت لگانے، کسی کا ناجائز مال کھانے، کسی کا خون بہانے اور کسی کو مارنے کا جرم عائد ہوگا، ہر ایک کو ملزم کی نیکیوں کا ایک حصہ دے دیا جائے گا، اگر فیصلہ برابر ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں، تو سائلین کے گناہوں کا بوجھ مجرم پر ڈال دیا جائے گا اور جہنم رسید کر دیا جائے گا۔‘‘

(صحیح مسلم :2581)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْمَازِرِيُّ وَزَعَمَ بَعْضُ الْمُبْتَدِعَةِ أَنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ مُعَارِضٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی : ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی﴾ وَهٰذَا الِاعْتِرَاضُ غَلَطٌ مِنْهُ وَجَهَالَةٌ بَيِّنَةٌ لِأَنَّهٗ إِنَّمَا عُوقِبَ بِفِعْلِهٖ وَوِزْرِهٖ وَظُلْمِهٖ فَتَوَجَّهَتْ عَلَيْهِ حُقُوقٌ لِغُرَمَائِهٖ فَدُفِعَتْ إِلَيْهِمْ مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَتْ وَبَقِيَتْ بَقِيَّةٌ قُوبِلَتْ عَلٰى حَسَبِ مَا اقْتَضَتْهُ حِكْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی فِي خَلْقِهٖ وَعَدْلِهٖ فِي عِبَادِهٖ فَأُخِذَ قَدْرُهَا مِنْ سَيِّئَاتِ خُصُومِهٖ فَوُضِعَ عَلَيْهِ فَعُوقِبَ بِهٖ فِي النَّارِ فَحَقِيقَةُ الْعُقُوبَةِ إِنَّمَا هِيَ بِسَبَبِ ظُلْمِهٖ وَلَمْ يُعَاقَبْ بِغَيْرِ جِنَايَةٍ وَّظُلْمٍ مِّنْهُ

وَهٰذَا كُلُّهُ مَذْهَبُ أَهْلِ السَّنَةُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض اہل بدعت کا خیال ہے کہ یہ حدیث اللہ کے اس فرمان کے معارض ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ ''کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' یہ اعتراض غلط ہے اور واضح جہالت ہے، کیونکہ اس کو اپنے فعل کی وجہ سے سزا ہوگی، اپنے ظلم کی وجہ سے سزا ہوگی، اس کے قرض خواہوں کے حقوق اس کی طرف آئیں گے، تو اس کی نیکیاں دے کر وہ حقوق ختم ہوں گے، جب یہ نیکیاں ختم ہوگئیں اور کچھ حقوق باقی رہ گئے، تو اللہ کی حکمت کے تقاضے سے اس نے جس کا حق مارا ہوگا، اس کے گناہ اس کو دے دیئے جائیں گے اور اس کو آگ میں عذاب دیا جائے گا۔ تو اصل میں یہ سزا اس کے اپنے ظلم کا بدلہ ہے، اس کو بلا وجہ سزا نہیں دی جائے گی، یہ سب اہل سنت کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم!''

(شرح صحیح مسلم: 136/16)

❁ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

هٰذَا مِنْ ضَرُورَةِ قَضِيَّةِ الْعَدْلِ الثَّابِتِ لَهُ تَعَالٰى بِالنَّقْلِ وَالْعَقْلِ، فَإِنَّ الظَّالِمَ إِذَا أَكْثَرَ مِنَ الْحَسَنَاتِ وَثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ مِنْهَا وَغَلَبَتْ عَلٰى سَيِّئَاتِهِ، فَإِنْ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ يَبْقٰى حَقُّ الْمَظْلُومِ ضَائِعًا، وَإِنْ أُدْخِلَ النَّارَ يُنَافِي قَوْلَهُ تَعَالٰى : ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(الأعراف: 8)، وَسَيَأْتِي أَنَّ حُقُوقَ الْعِبَادِ مِمَّا لَا

يَتْرُكُ اللّٰهُ تَعَالٰى، فَلَا بُدَّ مِنْ أَنَّ الْأَمْرَيْنِ إِمَّا أَخْذَ الْحَسَنَاتِ وَإِمَّا وَضْعَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى يَتَحَقَّقَ خِفَّةُ مِيزَانِ عَمَلِهِ، فَيَدْخُلُ النَّارَ فَيُعَذَّبُ بِقَدْرِ اسْتِحْقَاقِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِسَبَبِ الْحَسَنَاتِ الْبَاقِيَةِ إِنْ كَانَتْ هُنَاكَ، وَإِلَّا بِبَرَكَةِ الْإِيمَانِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا، وَهٰذَا مِنَ الْبَرَاهِينِ الْوَاضِحَةِ الْمُؤَيِّدَةِ بِالشَّوَاهِدِ وَالْأَدِلَّةِ اللَّائِحَةِ .

''یہ اللہ کے عدل کا ضروری تقاضہ ہے، جو کہ عقل و نقل دونوں سے ثابت ہے، کیونکہ ظالم کی نیکیاں اگر بڑھ جائیں اور اس کا پلڑا بھاری ہو جائے، پھر وہ اس کے سبب جنت میں چلا جائے، تو مظلوم کا حق ضائع ہو جائے گا، اگر وہ جہنم میں چلا جائے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے منافی ہے۔ فرمایا: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ''جن کا پلڑا بھاری ہو گیا، وہ فلاح پا گئے۔'' تو ابھی آپ کو معلوم ہوگا کہ حقوق العباد کو اللہ معاف نہیں کرتا۔ تو ایسی صورت میں دو ہی چیزیں باقی بچتی ہیں؛ یا اس کی نیکیاں لے لی جائیں یا پھر اس کو برائیاں دے دی جائیں، یہاں تک اس کے عمل کا میزان ہلکا ہو جائے، پھر وہ جہنم میں چلا جائے۔ اس کو آگ کا عذاب دیا جائے اور اپنے حصے کا عذاب چکھ لے۔ پھر آگ سے نکال کر اس کی باقی ماندہ نیکیوں کے سبب اسے جنت میں بھیج دیا جائے۔ اگر نیکیاں باقی نہ ہوں، تو ایمان کی برکت سے اسے جنت میں بھیج دیا جائے، کیونکہ اللہ اچھا عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں

کرتا۔ یہ واضح دلائل ہیں، جن کی تائید دیگر شواہد اور دلائل سے بھی ہوتی ہے۔''

(مِرقاة المَفاتيح : 3202/8)

۱۲۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کو دیکھنا؟:

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عَلٰى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ، وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ، أَنْظُرُ إِلٰى لَعِبِهِمْ.

''مجھے یاد ہے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے تھے، مسجد میں حبشی کھیل رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چادر میں چھپا رکھا تھا اور میں ان کا کھیل دیکھ رہی تھی۔''

(صحيح البخاري : 454، صحيح مسلم : 892)

اس حدیث سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا خاص حبشیوں کو دیکھنا ثابت نہیں ہوتا، بل کہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان کی جنگی مشق دیکھ رہی تھیں، یہ احادیث محدثین عظام کی ہیں، انہوں نے اس حدیث سے یہ بات نہیں سمجھی، محدثین کا فہم حدیث معتبر ہے، اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور بات کرتے، منکرین حدیث جو درحقیقت منکرین قرآن ہیں، کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی عقل نارسا سے احادیث پر معترض ہوں۔

۱۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا برہنہ ہو جانا؟:

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ، فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ : يَا ابْنَ أَخِي، لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُونَ الْحِجَارَةِ، قَالَ : فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ، فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ، فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے پتھر اٹھا کر لے جاتے تھے، آپ نے ازار پہنا ہوا تھا، چچا عباس نے کہا: بھتیجے! اگر آپ اپنا ازار کھول کر اسے کندھے پر پتھر کے نیچے رکھ لیں، آپ ﷺ نے ایسا کیا، تو غشی کھا کر گر گئے، اس کے بعد آپ ﷺ عریاں نظر نہیں آئے۔''

(صحيح البخاري : 364، صحيح مسلم : 340)

یہ نبی کریم ﷺ کے بچپن کا واقعہ ہے۔ جب آپ ﷺ نے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ایسا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے کرامۃً آپ پر غشی طاری کر دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کبھی عریاں نہیں ہوئے۔ اس بنا پر حدیث پر اعتراض کرنا درست نہیں۔

۱۴۔ کیا کسی چیز میں نحوست ہے؟:

① سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ : فِي الْفَرَسِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ.

''نحوست تین چیزوں میں ہے؛ گھوڑے، عورت اور گھر میں۔''

(صحيح البخاري : 2858، صحيح مسلم : 2225)

② ایک روایت ہے:

إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِي شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالْفَرَسِ .

''اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی، تو گھر، عورت اور گھوڑے میں ہوتی۔''

(صحيح البخاري : 5094، صحيح مسلم : 2225)

③ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ، فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ .

''اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی، تو گھوڑے، عورت اور گھر میں ہوتی۔''

(صحيح البخاري : 5095، صحيح مسلم : 2226)

④ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ فَفِي الرَّبْعِ، وَالْخَادِمِ، وَالْفَرَسِ .

''اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی، تو گھر، خادم اور گھوڑے میں ہوتی۔''

(صحيح مسلم : 2227)

⑤ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَ، فَإِنْ تَكُ الطِّيَرَةُ فِي شَيْءٍ، فَفِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ .

''نہ چھوت ہے، نہ بدفالی ہے اور نہ مردہ کی کھوپڑی سے پرندہ نکلتا ہے، اگر (جاہلی اعتقاد کے مطابق) بدشگونی ہوتی، تو عورت، گھوڑے اور گھر میں ہوتی (اگر ان میں نہیں، تو کسی چیز میں نہیں ہوسکتی)۔''

(مسند الإمام أحمد :174/1، سنن أبي داود :3921، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (٦١٢٧) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

یاد رہے کہ ان احادیث میں نحوست سے مراد جاہلی عقائد والی نحوست نہیں ہے، بلکہ یہ نحوست بے برکتی اور اکتاہٹ کے معنی میں ہے۔ پہلی حدیث کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہر صورت گھر، عورت اور گھوڑے میں نحوست ہے، جبکہ دوسری احادیث نے پہلی حدیث کے عموم کو مقید کر دیا ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی، تو ان میں ہوتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں لازمی طور پر نحوست پائی جاتی ہے۔ اس کا ہرگز یہ بھی مطلب نہیں کہ ہر عورت، ہر گھر اور ہر گھوڑے میں نحوست ہے، بلکہ ان میں نحوست ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی۔ عورت میں نحوست اس صورت میں کہ وہ بد اخلاق، ناشکری اور نافرمان ہو۔ گھر میں اس طرح کہ وہ تنگ ہو یا پڑوسی برے ہوں۔ گھوڑے میں نحوست کی صورت یہ ہے کہ وہ میدان جہاد کے کام نہ آئے، یا مالک کی ضرورت پوری نہ کرے۔

١٥۔ موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دینا:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلٰى مُوسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَلَمَّا جَاءَ هٗ صَكَّهٗ، فَرَجَعَ إِلٰى رَبِّهٖ، فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِي إِلٰى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ، قَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهٗ: يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَلَهٗ بِمَا غَطَّتْ يَدُهٗ بِكُلِّ شَعَرَةٍ سَنَةٌ، قَالَ: أَيْ رَبِّ، ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ، قَالَ: فَالْآنَ.

''ملک الموت کوسیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا، وہ آئے، تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تھپڑ مارا، ملک الموت واپس جا کر کہنے لگے: اللہ! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے، جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی طرف دوبارہ جاؤ اور ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی جلد پر رکھے، تو جتنے بال ان کے ہاتھ میں آئیں گے، ہر بال کے بدلے ایک سال عمر بڑھا دی جائے گی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میرے رب! پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا: موت، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پھر تو ابھی موت دے دیجئے۔''

(صحيح البخاري: 3407، صحيح مسلم: 2372)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (597ھ) لکھتے ہیں:

''بعض ملحدین نے اس حدیث پر چار اعتراض کئے ہیں:

۱۔ ایک آدمی ایک فرشتے کی آنکھ کیسے پھوڑ سکتا ہے؟ جبکہ وہ ایک بہت بڑا جسم ہوتا ہے؟

۲۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لئے کیوں کر جائز تھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے کے ساتھ ایسا کریں، یہ تو اللہ کے مرسل کے توہین ہے؟

۳۔ کیا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی لقا کا شوق نہ تھا؟

۴۔ فرشتے کو جب جان قبض کرنے کے لئے بھیجا تھا، تو اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کیسے کر دی؟

ان اعتراضات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے محبت تھی، سو فرشتے کو آدمی کی صورت میں بھیجا

تا کہ نرمی اور لطافت سے جان قبض کر لیں، ان کے سامنے ایک آدمی تھا، وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ ایک فرشتہ ہے، تو انہوں نے انسانی فطرت کے مطابق فرشتے کو خود سے دور کیا، جب فرشتے انسانی شکل میں آئیں، تو بسا اوقات نبی کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا لوط علیہما السلام پر فرشتے مخفی رہ گئے، اسی طرح جب جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ایمان اور اسلام پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی رہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے مختلف اسانید سے بیان کیا ہے، ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنا آج جبریل علیہ السلام مجھ پر پوشیدہ رہے، اتنا پہلے کبھی نہیں رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ میں نے اسے تب تک نہیں پہچانا، جب تک کہ واپس نہیں چلے گئے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ میرے پاس (انسانی شکل میں) ہیں اور میں انہیں نہ پہچان سکوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس بھی صورت میں میرے پاس آئے، میں نے پہچان لیا، مگر اس صورت میں نہیں پہچان پایا۔ سو اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بغیر پہچانے تھپڑ مار کر اس کی انسانی صورت والی آنکھ پھوڑ دی، فرشتے والی آنکھ نہیں پھوڑی، تو جب ملک الموت واپس آیا، آنکھ درست ہو چکی تھی، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پہچان لیا اور اللہ کا فیصلہ قبول کر لیا۔ علامہ ابن عقیل کہتے ہیں: یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اجازت دی گئی ہو ایسا کرنے کی اور ملک الموت کے صبر کا امتحان ہو، جیسا کہ خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہما السلام کے واقعہ میں ہے۔"

(كشف المُشكل من حديث الصّحيحَين : 444/3)

۞ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْمَازِرِيُّ : وَقَدْ أَنْكَرَ بَعْضُ الْمَلَاحِدَةِ هٰذَا الْحَدِيثَ وَأَنْكَرَ تَصَوُّرَهُ قَالُوا : كَيْفَ يَجُوزُ عَلٰى مُوسٰى فَقْءُ عَيْنِ مَلَكِ الْمَوْتِ قَالَ : وَأَجَابَ الْعُلَمَاءُ عَنْ هٰذَا بِأَجْوِبَةٍ؛ أَحَدُهَا : أَنَّهُ لَا يَمْتَنِعُ أَنْ يَكُونَ مُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَذِنَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ فِي هٰذِهِ اللَّطْمَةِ وَيَكُونَ ذٰلِكَ امْتِحَانًا لِّلْمَلْطُومِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى يَفْعَلُ فِي خَلْقِهِ مَاشَاءَ وَيَمْتَحِنُهُمْ بِمَا أَرَادَ، وَالثَّانِي : أَنَّ هٰذَا عَلَى الْمَجَازِ وَالْمُرَادُ أَنَّ مُوسٰى نَاظَرَهُ وَحَاجَّهُ فَغَلَبَهُ بِالْحُجَّةِ وَيُقَالُ : فَقَأَ فُلَانٌ عَيْنَ فُلَانٍ إِذَا غَالَبَهُ بِالْحُجَّةِ وَيُقَالُ : عَوَّرْتُ الشَّيْءَ إِذَا أَدْخَلْتُ فِيهِ نَقْصًا قَالَ : وَفِي هٰذَا ضَعْفٌ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ اللّٰهُ عَيْنَهُ، فَإِنْ قِيلَ : أَرَادَ رَدَّ حُجَّتَهُ كَانَ بَعِيدًا، وَالثَّالِثُ : أَنَّ مُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ مَلَكٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَظَنَّ أَنَّهُ رَجُلٌ قَصَدَهُ يُرِيدُ نَفْسَهُ فَدَافَعَهُ عَنْهَا فَأَدَّتِ الْمُدَافَعَةُ إِلٰى فَقْءِ عَيْنِهِ لَا أَنَّهُ قَصَدَهَا بِالْفَقْءِ وَتُؤَيِّدُهُ رِوَايَةُ «صَكَّهُ»، وَهٰذَا جَوَابُ الْإِمَامِ أَبِي بَكْرِ بْنِ خُزَيْمَةَ وَغَيْرِهِ مِنَ الْمُتَقَدِّمِينَ

وَاخْتَارَهُ الْمَازِرِيُّ وَالْقَاضِي عِيَاضٌ .

''علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض ملاحدہ نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ موسیٰ ﷺ کے لئے یہ کیونکر جائز ہوا کہ وہ ایک فرشتے کی آنکھ پھوڑ دیں، علما نے اس اعتراض کے متعدد جواب دیئے ہیں؛

۱۔ممکن ہے کہ سیدنا موسیٰ ﷺ کو اس چیز کی اجازت دی گئی ہو اور یہ ملک الموت کا امتحان ہو۔اللہ اپنی مخلوق کے ساتھ جو ارادہ کرے، اسے کرتا ہے اور جو جسے جس امتحان میں ڈالنا چاہتا ہے، ڈال دیتا ہے۔

۲۔اس میں مجازی معنی مراد ہے، مطلب کہ سیدنا موسیٰ ﷺ نے فرشتے سے بحث مباحثہ کیا ہو اور اسے ہرا دیا ہو، جیسا کہ عرب میں مستعمل ہے کہ جیت جانے والا کہتا ہے: میں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی، اسی طرح جب کسی چیز میں نقص ڈال دیا جائے، تو کہا جاتا ہے کہ میں نے اس کو کانا کر دیا۔لیکن اس کا یہ معنی درست نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی آنکھ دوبارہ درست کر دی۔'' اگر کوئی اس سے مراد لے حجت میں غالب کر دیا دوبارہ سے۔تو یہ معنی بعید ہے۔

۳۔سیدنا موسیٰ ﷺ کو معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے بھیجا گیا فرشتہ ہے، انہوں نے سمجھا کہ یہ کوئی شخص ہے، جو انہیں مارنا چاہتا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے بچنا چاہا، اسی بچاؤ میں اس کی آنکھ پھوٹ گئی، قصدا ایسا نہیں کیا۔اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں صَکَّہٗ ''موسیٰ علیہ السلام نے اسے مارا۔'' کا لفظ ہے۔یہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور دیگر متقدمین کا جواب ہے اور

اسے ہی قاضی عیاض اور علامہ مارزی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔‘‘

(شرح صحیح مسلم :116/15)

تیسرا قول ہی درست ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ملک الموت کو نہیں پہچان سکے، جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے اور وہ ان کو نہیں پہچان سکے۔

(سورت ھود : 69-70، 80-81)

۱۶۔ شہد میں شفا ہے:

❀ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی نے آ کر عرض کی:

أَخِي يَشْتَكِي بَطْنَهُ، فَقَالَ : اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَى الثَّانِيَةَ، فَقَالَ : اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ : اسْقِهِ عَسَلًا ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ : قَدْ فَعَلْتُ، فَقَالَ : صَدَقَ اللّٰهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ، اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ فَبَرَأَ .

’’میرے بھائی کا پیٹ خراب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو شہد پلائیں، میں دوبارہ آیا، فرمایا: اس کو شہد پلائیں، پھر تیسری مرتبہ آیا، عرض کیا: پلایا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سچ کہتے ہیں اور آپ کے بھائی کا پیٹ خطا پر ہے، جائیے اسے شہد پلایئے، انہوں نے شہد پلایا، تو شفایاب ہو گیا۔‘‘

(صحيح البخاري : 5684، صحيح مسلم : 2217)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (852ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْخَطَّابِيُّ وَغَيْرُهُ أَهْلُ الْحِجَازِ يُطْلِقُونَ الْكَذِبَ فِي مَوْضِعِ

الْخَطَأُ، يُقَالُ : كَذَبَ سَمْعُكَ أَيْ زَلَّ فَلَمْ يُدْرِكْ حَقِيقَةَ مَا قِيلَ لَهُ فَمَعْنٰى كَذَبَ بَطْنُهُ أَيْ لَمْ يَصْلُحْ لِقَبُولِ الشِّفَاءِ بَلْ زَلَّ عَنْهُ وَقَدِ اعْتَرَضَ بَعْضُ الْمَلَاحِدَةِ فَقَالَ : الْعَسَلُ مُسَهِّلٌ فَكَيْفَ يُوصَفُ لِمَنْ وَقَعَ بِهِ الْإِسْهَالُ .

وَالْجَوَابُ : أَنَّ ذٰلِكَ جَهْلٌ مِّنْ قَائِلِهِ بَلْ هُوَ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى : بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ، فَقَدِ اتَّفَقَ الْأَطِبَّاءُ عَلٰى أَنَّ الْمَرَضَ الْوَاحِدَ يَخْتَلِفُ عِلَاجُهُ بِاخْتِلَافِ السِّنِّ وَالْعَادَةِ وَالزَّمَانِ وَالْغِذَاءِ الْمَأْلُوفِ وَالتَّدْبِيرِ وَقُوَّةِ الطَّبِيعَةِ وَعَلٰى أَنَّ الْإِسْهَالَ يَحْدُثُ مِنْ أَنْوَاعٍ مِنْهَا الْهَيْضَةُ الَّتِي تَنْشَأُ عَنْ تُخَمَةٍ وَّاتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ عِلَاجَهَا بِتَرْكِ الطَّبِيعَةِ وَفِعْلِهَا فَإِنَّ احتَاجَتِ إِلٰى مُسَهِّلٍ مُعَيَّنٍ أُعِينَتْ مَا دَامَ بِالْعَلِيلِ قُوَّةٌ، فَكَأَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ كَانَ اسْتِطْلَاقُ بَطْنِهِ عَنْ تُخَمَةٍ أَصَابَتْهُ فَوَصَفَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَسَلَ لِدَفْعِ الْفُضُولِ الْمُجْتَمِعَةِ فِي نَوَاحِي الْمَعِدَةِ وَالْأَمْعَاءِ لِمَا فِي الْعَسَلِ مِنَ الْجَلَاءِ وَدَفْعِ الْفُضُولِ الَّتِي تُصِيبُ الْمَعِدَةَ مِنْ أَخْلَاطٍ لَزِجَةٍ تَمْنَعُ اسْتِقْرَارَ الْغِذَاءِ فِيهَا وَلِلْمَعِدَةِ خَمْلٌ كَخَمْلِ الْمِنْشَفَةِ فَإِذَا عَلِقَتْ بِهَا الْأَخْلَاطُ اللَّزِجَةُ أَفْسَدَتْهَا وَأَفْسَدَتِ الْغِذَاءَ الْوَاصِلَ إِلَيْهَا فَكَانَ دَوَاؤُهَا بِاسْتِعْمَالِ

مَا يَجْلُو تِلْكَ الْأَخْلَاطَ وَلَا شَيْءَ فِي ذٰلِكَ مِثْلُ الْعَسَلِ لَا سِيَّمَا إِنْ مُزِجَ بِالْمَاءِ الْحَارِّ وَإِنَّمَا لَمْ يُفِدْهُ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ لِأَنَّ الدَّوَاءَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ لَهٗ مِقْدَارٌ وَكَمِّيَّةٌ بِحَسَبِ الدَّاءِ إِنْ قَصُرَ عَنْهُ لم يَدْفَعْهُ بِالْكُلِّيَّةِ وَإِنْ جَاوَزَهٗ أَوْهَى الْقُوَّةَ وَأَحْدَثَ ضَرَرًا آخَرَ فَكَأَنَّهٗ شَرِبَ مِنْهُ أَوَّلًا مِقْدَارًا لَا يَفِي بِمُقَاوَمَةِ الدَّاءِ فَأَمَرَهٗ بِمُعَاوَدَةِ سَقْيِهِ فَلَمَّا تَكَرَّرَتِ الشَّرَبَاتُ بِحَسَبِ مَادَّةِ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَفِي قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ، إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ هٰذَا الدَّوَاءَ نَافِعٌ وَأَنَّ بَقَاءَ الدَّاءِ لَيْسَ لِقُصُورِ الدَّوَاءِ فِي نَفْسِهٖ وَلٰكِنْ لِكَثْرَةِ الْمَادَّةِ الْفَاسِدَةِ فَمِنْ ثَمَّ أَمَرَهٗ بِمُعَاوَدَةِ شُرْبِ الْعَسَلِ لِاسْتِفْرَاغِهَا فَكَانَ كَذٰلِكَ وَبَرَأَ بِإِذْنِ اللّٰهِ.

''علامہ خطابی وغیرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل حجاز ''کذب'' کو ''خطا'' کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ كَذَبَ سَمْعُكَ'' آپ کے کانوں نے خطا کی۔''اس حقیقت کو نہیں پا سکے، جوان سے عرض گزار کی جا رہی ہے۔ كَذَبَ بَطْنَهٗ کا معنی ہے کہ وہ تھوڑا غلطی پر جا پڑا، (ابھی) شفا یابی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بعض ملاحدہ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ شہد تو خود اسہال لگاتا ہے، اس سے اسہال ختم ہونا کیسے ممکن ہے؟

جواب: یہ ان کی جہالت ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: یہ لوگ اس چیز کو

جھٹلا دیتے ہیں، جس کے علم کا احاطہ نہیں کر پاتے۔ اطبا کا اتفاق ہے کہ ایک ہی مرض کا علاج عمر، عادت، وقت، غذا، موسم، تدبیر اور طبیعت کے لحاظ سے ہر مریض کے لئے مختلف ہوتا ہے۔ نیز اطبا کا اتفاق ہے کہ پیچش مختلف بیماریوں سے لاحق ہوتے ہیں، مثلاً بدہضمی سے ہونے والے ہیضہ کی وجہ سے۔ اطبا کا اتفاق ہے کہ اس ہیضے کا علاج مزاج کے مطابق اور مخالف اشیا کے استعمال سے ہوتا ہے۔ اگر اس مریض کو اسہال (پیچش) کی ضرورت ہے، تو اسے (کسی دوا کے ذریعہ) اسہال لگا دیے جاتے ہیں، جب تک مریض میں طاقت موجود رہے۔ ممکن ہے کہ (حدیث میں موجود) اس شخص کا پیٹ بھی ہیضہ کی وجہ سے خراب ہو، تو نبی کریم ﷺ نے اسے شہد تجویز کیا، تا کہ اس کے معدہ اور انتڑیوں میں موجود زائد اور فاضل مادہ خارج ہو جائے، کیونکہ شہد میں تاثیر ہوتی ہے اور یہ معدہ کے زائد مادے کو خارج کر دیتا ہے، جو چکنائی کے جم جانے کی وجہ سے معدے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے معدہ میں خوراک ٹھہر نہیں پاتی۔ معدہ میں (اندرونی سطح کو ڈھانپنے کے لیے) ریشے (جھالر) ہوتے ہیں، جیسا کہ تولیہ کے ریشے ہوتے ہیں۔ ان ریشوں میں جب کوئی چکنی اور پیچیدہ خوراک پھنس جاتی ہے، تو یہ چکناہٹ ان ریشوں کو خراب کر دیتی ہے اور ہر کھائی جانے والی خوراک بھی ضائع کر دیتی ہے۔ اس کے علاج میں وہی چیز استعمال کی جائے گی، جو اس ملغوبے کو خارج کر دے۔ اس سلسلہ میں شہد سے اچھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، خصوصاً جب اسے نیم گرم پانی میں ملا کر استعمال کیا جائے۔ اور اس کا فائدہ ایک ہی بار استعمال کرنے سے تھوڑا ہو

جائے گا، کیونکہ دوا کی مقدار مرض کے مطابق ہونی ضروری ہے۔ اگر دوا کی مقدار کم ہوگی، تو اس سے مکمل طور پر فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر دوا کی مقدار مرض کے اعتبار زیادہ ہوگی، تو کمزوری کا باعث بنے گی اور مزید کسی بیماری کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ گویا (نبی کریم ﷺ کے پاس آنے والے) اس شخص (کے بھائی) نے شروع میں اتنی مقدار میں شہد پیا کہ جو مرض کے لحاظ سے کم تھا، تو نبی کریم ﷺ نے مسلسل شہد پینے کا حکم دیا۔ جب اس نے مرض کے مطابق تسلسل کے ساتھ شہد پیا، تو اللہ کے حکم سے شفایاب ہوگیا۔ فرمان نبوی: كَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ ''تیرے بھائی کا پیٹ خطا کر گیا۔'' میں اشارہ ہے کہ یہ دوا (شہد) نفع مند ہے۔ جو ابھی بیماری باقی ہے، اس کا سبب یہ نہیں کہ دوا میں تاثیر نہیں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ (معدے میں) فاسد مادہ بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ لگاتار شہد پیتا رہے، تاکہ یہ فاسد مادہ زائل ہوجائے۔ ایسا ہی ہوا اور وہ اللہ کے حکم سے تندرست ہوگیا۔''

(فتح الباري : 169/10)

۱۷۔ کھانے پینے کی چیز میں مکھی گر جائے، تو؟:

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ ثُمَّ لِيَنْزِعْهُ، فَإِنَّ فِي إِحْدٰى جَنَاحَيْهِ دَاءً وَالْأُخْرٰى شِفَاءً .

''جب کسی کے پانی میں مکھی گر جائے، تو اسے ڈبوئے، پھر نکال دے، کیونکہ اس کے ایک پَر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے۔''

(صحيح البخاري : 3320)

❁ ثمامہ بن عبداللہ بن انس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَقَعَ ذُبَابٌ فِي إِنَاءٍ فَقَالَ أَنَسٌ بِإِصْبَعِهٖ فَغَمَسَهٗ فِي الْمَاءِ ثَلاثًا وَقَالَ : بِسْمِ اللّٰهِ، وَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَمَرَهُمْ أَنْ يَفْعَلُوا ذٰلِكَ، وَقَالَ : أَحَدُ جَنَاحَيْهِ دَاءٌ وَفِي الْآخَرِ شِفَاءٌ .

''ہم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ مکھی ان کے برتن میں گر گئی، سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلی سے اسے پانی میں تین دفعہ ڈبویا اور کہا: بسم اللہ! اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ ایسا ہی کریں، اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے۔''

(الْمُختارة للضّياء : 206/5، ح : 1835، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سعید بن خالد قارظی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

أَتَيْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَزُورُهٗ بِقُبَاءَ، فَقَدَّمَ إِلَيْنَا زُبْدًا وَّكُتْلَةً، فَسَقَطَ فِي الزُّبْدِ ذُبَابٌ، فَجَعَلَ أَبُو سَلَمَةَ يَمْقُلُهٗ بِخِنْصَرِهٖ، فَقُلْتُ : غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا خَالُ، مَا تَصْنَعُ؟، فَقَالَ : إِنِّى سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا سَقَطَ الذُّبَابُ فِي الطَّعَامِ فَامْقُلُوهُ؛ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ سُمًّا، وَفِي الْآخَرِ شِفَاءً، وَإِنَّهٗ يُقَدِّمُ السُّمَّ، وَيُؤَخِّرُ الشِّفَاءَ .

''میں سیدنا ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کی زیارت کیلئے قبا میں حاضر ہوا، انہوں نے ہمیں مکھن اور (گوشت کا ایک بڑا) ٹکڑا پیش کیا، مکھن میں مکھی گر گئی، ابوسلمہ رحمہ اللہ اس کو اپنے ہاتھ سے ڈبونے لگے، میں نے کہا: اللہ آپ کو معاف کرے، ماموں جان! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کہا: میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مکھی کھانے میں گر جائے، تو اسے ڈبوئیں، کیونکہ اس کے ایک پَر میں زہر (بیماری) اور دوسرے میں شفا ہے، مکھی زہر والا پَر پہلے نیچے لے جاتی ہے اور شفا والا اوپر رکھتی ہے۔''

(مسند أحمد: 24/3، 67، شرح مشکل الآثار للطّحاوي: 3289، وسندهٗ حسنٌ)

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (388) لکھتے ہیں:

''اس روایت کا انکار وہ لوگ کرتے ہیں، جو ہر چیز کو مشاہدے اور حس سے پرکھنے کا رجحان رکھتے ہیں، وہ اسی چیز کو مانتے ہیں، جو ان کے ہاں تجربے سے صحیح قرار پائی ہو، یا عرف میں صحیح ہو۔ اور وہ لوگ جن کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے نور سے کھول کر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت بھر دیا ہے، وہ لوگ کچھ ایسا مزاج رکھتے ہیں کہ جب روایت ثابت ہو جائے، پھر اس کا انکار نہیں کرتے۔

یہ قاعدہ سرے سے غلط ہے کہ صحیح صرف وہ ہوتا ہے، جس کی نظیر موجود ہو، محض چیز کی دلیل کی موجودگی سے چیز صحیح ہو جاتی ہے۔ کسی چیز پر عقلی دلالت قائم ہو جائے اور اس بارے میں صحیح روایت مل جائے، تو ان دونوں سے اس چیز کو تسلیم کرنا واجب ہو جاتا ہے اور فسادیوں کی دلیل کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ شہد

کی مکھی سے کیوں تعجب نہیں کرتے؟ اللہ نے اس کے پر میں زہر اور شفا جمع کر دیئے ہیں، اوپر والے پَر سے شہد بناتی ہے اور نیچے والے سے کاٹ کر سوجا دیتی ہے، انسان کا دشمن سانپ ہے، اس کے زہر سے انسان مرجاتا ہے، لیکن اس کا گوشت اس کے زہر کا تریاق اکبر ہے، یہ چیز کئی چیزوں میں ہے اور اطبا کے ہاں معروف ہے، حتی کہ عوام کے ہاں بھی معروف ہے، بلکہ مکھی کو اثمد سرمے میں ڈال کر اس سے آنکھیں تیز کرنے کی دوا بنائی جاتی ہے، اس سے نظر تیز ہوتی ہے، اسی طرح جس کو کتا کاٹ لے اس کے منہ پر مکھیاں ملی جاتی ہیں، اس سے کتے کا زہر بہت جلد مرجاتا ہے۔ یہ تو ہوئے اطبا کے اقوال جن کے مطابق ایک ہی چیز میں ایک ہی وقت زہر اور شفا ہوتی ہے، لیکن ان اقوال کی ہمیں کوئی حاجت نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ صادق مصدوق ہیں، آپ کے پاس اللہ کی وحی آتی ہے۔ یہ اقوال تو ہم ان کے لئے پیش کر رہے ہیں، جو اپنے استاد بقراط کے اقوال کی بنا پر ہر چیز میں تجربہ کی بات کرتے ہیں۔"

(إعلام الحديث : 2141/3)

نیز لکھتے ہیں:

وهذا سؤال جاهل أو متجاهل وإن الذى يجد نفسه ونفوس عامة الحيوان قد جمع فيها بين الحرارة والبرودة والرطوبة واليبوسة وهى أشياء متضادة إذا تلاقت تفاسدت، ثم يرى أن الله سبحانه قد ألف بينها وقهرها على الاجتماع وجعل منها قوى الحيوان التى بها بقاؤها وصلاحها لجدير

أن لا ينكر اجتماع الداء والشفاء فی خزأين من حيوان واحد، وأن الذی ألهم النحلة أن تتخذ البيت العجيب الصنعة وأن تعسل فيه، وألهم الذرة أن تكتسب قوتها وتدخره لأوان حاجتها إليه هو الذی خلق الذبابة وجعل لها الهداية إلی أن تقدم جناحاً وتؤخر جناحاً لما أراد من الابتلاء الذی هو مدرجة التعبد والامتحان الذی هو مضمار التكليف وفی كل شیء عبرة وحكمة وما يذكر إلّا أولو الألباب.

''یہ سوال جاہل یا جان بوجھ کر جاہل بننے والا کرسکتا ہے، جو اپنے نفس میں اور حیوانوں کے انفاس کو دیکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اللہ نے ایک ہی چیز میں ایک ہی وقت میں خشکی تری، گرمی سردی کے مزاج جمع کر دیئے ہیں، حالانکہ یہ متضاد اشیا ہیں، جب ملتی ہیں، فساد میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ ان چیزوں کو جمع کر دیتا ہے۔ اس کو حیوان کی قوت بنا دیتا ہے، کہ اس کی وجہ ہی سے اس حیوان کی بقا ہوتی ہے، اور ضروری ہو جاتا ہے کہ اس میں ایک ہی وقت میں بیماری اور شفا جمع ہو جاتی ہے۔ اللہ مکھی کو الہام کرتا ہے کہ حیران کن گھر بنائے اور اس میں شہد تیار کرے، وہ چیونٹی کو الہام کرتا ہے اپنا کھانا جمع کر کے رکھ لے، تاکہ بعد میں کھالے، مکھی بھی اسی رب نے بنائی ہے، اس کو بھی ایک راہ دکھا سکتا ہے کہ ایک پر کو اندر لے جائے دوسرے کو اوپر رکھ لے، جب

اس کے ابتلا کا ارادہ کرے، یہ تعبد کے مدارج ہیں اور جن کو مکلّف بنایا گیا ہے، ان کا امتحان ہیں، ہر چیز میں عبرت ہے اور حکمت ہے، اس کو صرف وہی لوگ یاد کرتے ہیں، جو اولوا الالباب ہیں۔''

(معالم السنن : 239/4)

۞ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (751ھ) لکھتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ فِيهِ أَمْرَانِ ؛ أَمْرٌ فِقْهِيٌّ، وَأَمْرٌ طِبِّيٌّ، فَأَمَّا الْفِقْهِيُّ فَهُوَ دَلِيلٌ ظَاهِرُ الدَّلَالَةِ جِدًّا عَلٰى أَنَّ الذُّبَابَ إِذَا مَاتَ فِي مَاءٍ أَوْ مَائِعٍ فَإِنَّهٗ لَا يُنَجِّسُهٗ، وَهٰذَا قَوْلُ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ، وَلَا يُعْرَفُ فِي السَّلَفِ مُخَالِفٌ فِي ذٰلِكَ، وَوَجْهُ الْاِسْتِدْلَالِ بِهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِمَقْلِهٖ، وَهُوَ غَمْسُهٗ فِي الطَّعَامِ، وَمَعْلُومٌ أَنَّهٗ يَمُوتُ مِنْ ذٰلِكَ، وَلَا سِيَّمَا إِذَا كَانَ الطَّعَامُ حَارًّا، فَلَوْ كَانَ يُنَجِّسُهٗ لَكَانَ أَمْرًا بِإِفْسَادِ الطَّعَامِ، وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَمَرَ بِإِصْلَاحِهٖ ....

وَأَمَّا الْمَعْنَى الطِّبِّيُّ، فَقَالَ أَبُو عُبَيْدٍ : مَعْنَى امْقُلُوهُ : اغْمِسُوهُ لِيَخْرُجَ الشِّفَاءُ مِنْهُ، كَمَا خَرَجَ الدَّاءُ، يُقَالُ لِلرَّجُلَيْنِ : هُمَا يَتَمَاقَلَانِ، إِذَا تَغَاطَّا فِي الْمَاءِ .

وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الذُّبَابِ عِنْدَهُمْ قُوَّةً سُمِّيَّةً يَدُلُّ عَلَيْهَا الْوَرَمُ، وَالْحِكَّةُ الْعَارِضَةُ عَنْ لَسْعِهٖ، وَهِيَ بِمَنْزِلَةِ السِّلَاحِ، فَإِذَا سَقَطَ

فِيمَا يُؤْذِيهِ، اتَّقَاهُ بِسِلَاحِهِ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقَابِلَ تِلْكَ السُّمِّيَّةَ بِمَا أَوْدَعَهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِي جَنَاحِهِ الْآخَرِ مِنَ الشِّفَاءِ، فَيُغْمَسُ كُلُّهٗ فِي الْمَاءِ وَالطَّعَامِ، فَيُقَابِلُ الْمَادَّةَ السُّمِّيَّةَ الْمَادَّةُ النَّافِعَةُ، فَيَزُولُ ضَرَرُهَا، وَهٰذَا طِبٌّ لَا يَهْتَدِي إِلَيْهِ كِبَارُ الْأَطِبَّاءِ وَأَئِمَّتُهُمْ، بَلْ هُوَ خَارِجٌ مِنْ مِشْكَاةِ النُّبُوَّةِ، وَمَعَ هٰذَا فَالطَّبِيبُ الْعَالِمُ الْعَارِفُ الْمُوَفَّقُ يَخْضَعُ لِهٰذَا الْعِلَاجِ، وَيُقِرُّ لِمَنْ جَاءَ بِهِ بِأَنَّهٗ أَكْمَلُ الْخَلْقِ عَلَى الْإِطْلَاقِ، وَأَنَّهٗ مُؤَيَّدٌ بِوَحْيٍ إِلَهِيٍّ خَارِجٍ عَنِ الْقُوَى الْبَشَرِيَّةِ.

''اس حدیث میں دوطرح کے امور سے بحث ہے؛ ایک فقہی اور ایک طبی، فقہی مسئلہ تو یہ ثابت ہوا کہ جب پانی یا کسی مائع چیز میں مکھی گر جائے، تو وہ نجس نہیں ہوگا۔ یہ جمہور علما کا قول ہے۔ سلف میں سے کوئی شخص اس کا مخالف نظر نہیں آتا۔ یہ استدلال اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈبونے کا حکم دیا ہے اور ڈبونے سے وہ پوری پانی میں داخل ہو جائے اور مر جائے گی اور اگر سالن گرم ہوا، تو بالاولی مر جائے گی، اگر اس کے مرنے سے سالن یا پانی نجس ہوتا، تو آپ ﷺ اس کھانے کو ضائع کرنے کا حکم دیتے، لیکن آپ ﷺ نے صرف (مکھی ڈبوکر) کھانے کی اصلاح کا حکم فرمایا۔

طبی لحاظ سے ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کو ڈبو دو، تا کہ اس سے شفا نکل آئے۔ جس طرح اس سے بیماری نکلی تھی۔

یاد رکھیں کہ مکھی میں زہریلی طاقت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بسا اوقات سوج بھی پڑ جاتی ہے۔ اس کے لڑنے سے عارضی طور پر کھجلی بھی ہو جاتی ہے۔ تو یہ اس کا ہتھیار ہے۔ جب کسی ایسی جگہ میں گرتی ہے، جہاں اسے تکلیف ہو، تو وہاں اپنے ہتھیار سے بچاؤ کرتی ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس زہر کا مقابلہ اس کے دوسرے شفا والے پَر کو ڈبو کر کیا جائے۔ جب وہ پوری مکھی پانی میں ڈوب جائے گی، تو اس کا زہریلا مادہ اس کے شفا والے مادے سے ختم ہو جائے گا۔ یوں اس کا ضرر ختم ہو جائے گا۔ یہ وہ طب ہے، جس کو بڑے بڑے اطبا بھی نہیں جان سکے، یہ نبوت کے چراغ سے ملی ہے۔ البتہ ایک ماہر عالم طبیب، جس کو اللہ توفیق دے، وہ اس علاج کے سامنے سر جھکا دے گا اور آپ کی لائی ہوئی وحی کا اقرار کرے گا، کیونکہ آپ ﷺ کامل ترین مخلوق ہیں۔ وہ وحی الٰہی کی تائید کرے گا، جو قوی بشریہ سے خارج ہوتی ہے۔''

(زاد المَعاد في هَدي خير العِباد : 112/4)

۱۸۔ غیر ارادی طور پر صادر ہونے والے کلمات کا حکم؟:

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ حَسَنَةً قَطُّ، لِأَهْلِهِ : إِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوهُ، ثُمَّ اذْرُوا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ، فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ، فَلَمَّا مَاتَ الرَّجُلُ فَعَلُوا مَا أَمَرَهُمْ، فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ،

وَأَمَرَ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيهِ، ثُمَّ قَالَ : لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ : مِنْ خَشْيَتِكَ، يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ، فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ .

''ایک آدمی نے کبھی نیکی نہیں کی تھی، اس نے اپنے گھر والوں سے کہہ دیا کہ جب میں مر جاؤں، تو مجھے جلا دیجئے گا، پھر میرا آدھا حصہ زمین میں اور آدھا سمندر میں پھینک دیجئے گا، اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھ پر قدرت پا لی، تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو نہ دیا ہوگا، جب وہ مر گیا، تو گھر والوں نے ایسا ہی کیا، تو اللہ نے خشکی اور سمندر کو حکم دیا کہ اس کو جمع کر دیں، انہوں نے کر دیا، پھر کہا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا: اللہ! تیرے ڈر سے، اللہ تو جانتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔''

(صحيح البخاري :3481، صحيح مسلم : 2756)

اس پر خوف غالب آ گیا تھا اور خوف کی اس کیفیت میں اس کے منہ سے ایسے الفاظ نکل گئے، حدیث کے الفاظ بھی ہیں کہ مجھے اس بات اللہ تیرے خوف نے ابھارا تھا۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ''باب الخوف من اللہ'' قائم کیا ہے۔ انسانوں پر مختلف کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں، کبھی خوشی کی شدید کیفیت اور کبھی غم و پریشانی کی، جب خود پر قابو نہیں رہتا، ایسے عالم میں کچھ الٹا سیدھا منہ سے نکل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتٰى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا، قَدْ

أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ، فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنْدَهٗ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ : اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ .

''اللہ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے، جو اپنی سواری پر ہو اور صحرا میں اس کی سواری گم ہوجائے، اس پر اس کا کھانا پینا بھی ہو، تو وہ اس سے ناامید ہوجائے اور اسی ناامیدی میں ایک درخت کے نیچے لیٹ جائے، اسی دوران اس کی سواری واپس آجائے، وہ اس کی مہار پکڑے پھر خوشی کی شدت سے کہنے لگے: اللہ! تو میرا بندہ، میں تیرا رب، یعنی وہ خوشی کی شدت میں خطا کر گیا۔''

(صحيح مسلم : 2747)

۱۹۔ آگ پر پکی چیز سے وضو:

❁ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اَلْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ .

''آگ پر پکی چیز کھانے سے وضو ہے۔''

(صحيح مسلم :351)

اس میں اور اس سے معارض روایات میں تطبیق یہ ہے کہ بعض اہل علم کے مطابق یہ استحباب پر محمول ہے اور بعض کے نزدیک منسوخ ہے۔

❁ سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فِي يَدِهِ، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَلْقَاهَا وَالسِّكِّينَ الَّتِي يَحْتَزُّ بِهَا، ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

''انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ میں پکڑ کر بکری کی چانپ کھا رہے ہیں، تو آپ ﷺ کو نماز پڑھانے کیلئے بلایا گیا۔ آپ نے چانپ اور چھری، جس سے کھا رہے تھے، کو وہیں رکھا اور نماز پڑھانے چلے گئے، کھڑے ہوئے، نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔''

(صحيح البخاري : 5408، صحيح مسلم : 355)

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ .

''رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آخری امر یہ تھا کہ آپ نے آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کرنا چھوڑ دیا تھا۔''

(سنن أبي داود : 192، سنن النّسائي : 185، سندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (24) امام ابن خزیمہ (43) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (1134) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

''رسول اللہ ﷺ نے بکری کی چانپ کھائی، پھر نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔''

(صحیح مسلم : 354)

❁ سیدنا سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ أَكَلَ لَحْمًا فَلْيَتَوَضَّأْ. ''جو گوشت کھائے، وضو کرے۔''

(مسند الإمام أحمد : 180/4، وسندهٗ حسنٌ)

دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گوشت کھانے کے بعد وضو مستحب ہے۔

❁ عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

إِنَّهٗ وَجَدَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَتَوَضَّأُ عَلَى الْمَسْجِدِ، فَقَالَ : إِنَّمَا أَتَوَضَّأُ مِنْ أَثْوَارِ أَقِطٍ أَكَلْتُهَا لِأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ.

''انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسجد میں وضو کرتے دیکھا، فرمایا: میں نے پنیر کے ٹکڑے کھائے ہیں، اسی لئے وضو کرتا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: آگ پر پکائے ہوئے سے وضو کرو۔''

(صحیح مسلم : 352)

❁ سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں:

سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَرَأَى أَبَا هُرَيْرَةَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ : أَتَدْرِي مِمَّا أَتَوَضَّأُ؟ قَالَ : لَا، قَالَ : أَتَوَضَّأُ مِنْ أَثْوَارِ أَقِطٍ أَكَلْتُهَا، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : مَا أُبَالِي مِمَّا تَوَضَّأْتَ، أَشْهَدُ لَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ لَحْمٍ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ.

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ میں کیوں وضو کر رہا ہوں؟ فرمایا: نہیں۔ کہا: میں نے پنیر کے ٹکڑے کھائے ہیں، اس لیے وضو کر رہا ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: مجھے اس سے کیا کہ آپ کس چیز کی وجہ سے وضو کر رہے ہیں، میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کی چانپ کھائی، پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، وضو نہیں کیا۔''

(مسند الإمام أحمد: 3464، وسندهٗ صحيحٌ)

فائدہ:

❀ **سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:**

إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَأَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: إِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ، وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَوَضَّأْ قَالَ: أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ؟ قَالَ: نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ.

''ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم بکریوں کے گوشت سے وضو کریں؟ فرمایا: اگر چاہیں، تو وضو کر لیں، چاہیں، تو نہ کریں، عرض کیا: کیا اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟ فرمایا: ہاں، اونٹ کے گوشت سے وضو کریں۔''

(صحيح مسلم: 360)

حدیث الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ عام ہے اور حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ خاص ہے۔ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ کچا ہو یا آگ پر پکا ہوا ہو۔

❁ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ، وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ.

''ہم اونٹوں کے گوشت سے وضو کیا کرتے تھے، بکریوں کے گوشت کھانے سے وضو نہیں کیا کرتے تھے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة :45/1 وسندهٗ حسنٌ)

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (319ھ) لکھتے ہیں:

لَا أَعْلَمُ الْيَوْمَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ اخْتِلَافًا فِي تَرْكِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ إِلَّا الْوُضُوءَ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ خَاصَّةً.

''میرے علم کے مطابق آج اہل علم میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آگ پر پکائی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ صرف اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹتا ہے۔''

(الأوسط :223/1)

❁ علامہ دمیری (808ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُ الْمُخْتَارُ الْمَنْصُورُ مِنْ جِهَةِ الدَّلِيلِ.

اونٹ کا گوشت کھانے پر وضو ٹوٹنے والا موقف دلیل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہے۔''

(حياة الحَيَوان :280/1)

✿ علامہ عبدالحئی لکھنوی (1304ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ مَذْهَبٌ قَوِيٌّ مِنْ حَيْثُ الدَّلِيلِ .

''یہ دلیل کے اعتبار سے قوی مذہب ہے۔''

(التّعليق المُمَجّد، ص 60)

۲۰۔ مسجد اقصی اور مسجد حرام کی تعمیر:

✿ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَوَّلِ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ : اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : الْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى قُلْتُ : كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ : أَرْبَعُونَ عَامًا، ثُمَّ الْأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ، فَحَيْثُمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ .

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین پر بنائی جانے والی پہلی مسجد کے متعلق سوال کیا، فرمایا: مسجد حرام۔ عرض کیا: پھر اس کے بعد؟ فرمایا: مسجد اقصی، فرمایا: ان کے درمیان کتنا فرق تھا؟ فرمایا: چالیس سال، تمام زمین آپ کے لئے مسجد ہے، جہاں نماز کا وقت ہو پڑھ لیجئے۔''

(صحيح البخاري : 3425، صحيح مسلم : 520)

✿ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (751ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَشْكَلَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَلٰى مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الْمُرَادَ بِهٖ فَقَالَ : مَعْلُومٌ أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ هُوَ الَّذِي بَنَى الْمَسْجِدَ الْأَقْصٰى،

وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ إِبْرَاهِيمَ أَكْثَرُ مِنْ أَلْفِ عَامٍ، وَهٰذَا مِنْ جَهْلِ هٰذَا الْقَائِلِ، فَإِنَّ سُلَيْمَانَ إِنَّمَا كَانَ لَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى تَجْدِيدُهُ لَا تَأْسِيسُهُ، وَالَّذِي أَسَّسَهُ هُوَ يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَآلِهِمَا وَسَلَّمَ بَعْدَ بِنَاءِ إِبْرَاهِيمَ الْكَعْبَةَ بِهٰذَا الْمِقْدَارِ .

''بعض لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کی مراد سمجھنے سے قاصر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ سلیمان بن داود علیہما السلام نے مسجد اقصی بنائی، ان کے اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہزار سے زائد برس کا وقفہ ہے، تو یہ اس آدمی کی جہالت ہے، کیونکہ سلیمان علیہ السلام نے اس مسجد کی تجدید کی تھی، اس کی بنیادیں سیدنا یعقوب بن اسحاق علیہما السلام نے رکھی تھیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ بنانے سے تقریباً چالیس برس بعد۔''

(زاد المَعاد في هدي خير العِباد :51/1)

❀ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَنٰى بَيْتَ الْمَقْدِسِ سَأَلَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خِلَالًا ثَلَاثَةً : سَأَلَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حُكْمًا يُصَادِفُ حُكْمَهُ فَأُوتِيَهُ، وَسَأَلَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ فَأُوتِيَهُ، وَسَأَلَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حِينَ فَرَغَ مِنْ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ أَنْ لَا يَأْتِيَهُ أَحَدٌ لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ فِيهِ أَنْ يُخْرِجَهُ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ .

''سیدنا سلیمان بن داود ﷺ نے جب بیت المقدس کو بنایا، تو اللہ سے تین چیزوں کا سوال کیا، ایک اللہ تعالیٰ سوال کیا کہ ایسا حکم عطا کرے، جو اس کے حکم کے مطابق ہو، اللہ نے دے دیا، ایسی بادشاہت کا سوال کیا، جو ان کے بعد کسی اور کو نہ ملے، اللہ نے وہ بھی دے دی، پھر جب مسجد بنا کر فارغ ہوئے، تو دعا کی کہ اس میں جو بھی آ کر نماز پڑھے، تو اس کی خطائیں یوں ختم ہوں، جیسے آج ہی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔''

(سنن النّسائي : 693، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1334) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (6420) نے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباری:408/6) نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀